رنگ لاتی ہے حنا
محی الدین نواب

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	....	رنگ لاتی ہے حنا
مصنف	....	محی الدین نواب
ناشر	....	گلفراز احمد
		علم و عرفان پبلشرز، لاہور
مطبع	....	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
سن اشاعت	....	ستمبر 2010ء
قیمت	....	-/200 روپے

بہترین کتاب چھپوانے کے لئے رابطہ کریں:۔ 0300-9450911

☆....... ملنے کا پتہ .... ☆

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ 40۔ اُردو بازار، لاہور۔

فون: 7352332-7232336

ادارہ علم و عرفان پبلشرز کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرما دیں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائے گا۔ (ناشر)

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

رنگ لاتی ہے حنا

اس عالیشان کوٹھی کے اندر سُر سنگیت سے رچی ہوئی مترنم آوازیں گونج رہی تھیں۔ بول کہہ رہے تھے کہ وہاں کسی خوش نصیب کی ہتھیلیوں پر پیا کے نام کی مہندی رچائی جا رہی ہے.....

رنگ لائی تیری مہندی رنگ لائی
رنگ لائی تیری مہندی رنگ لائی
گوری کر کے تُو سنگھار......
تجھے مل گیا تیرا پیار......
پیا من بھائی تیری مہندی رنگ لائی...

کوٹھی کا لان رنگ برنگی فینسی لائٹس سے جگمگا رہا تھا۔ کئی شوخ و چنچل لڑکے لڑکیاں رقص میں معروف ہو گئے تھے۔ ہلّہ گلّہ اور شور شرابا ایسا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

ماروی لڑکیوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ کبھی ہاتھ لہرا کر کبھی تالیاں بجا بجا کر رقص کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کر رہی تھی۔ موسیقی کی دُھن پر ہولے ہولے تھرک رہی تھی۔ وہاں سب ہی مستی میں گا رہے تھے' جھوم رہے تھے۔ سچل بھی دولہا اور دوسرے جوان لڑکوں کے ساتھ بھنگڑا ڈال رہا تھا۔ اُس نے بڑے ہی جذباتی اشارے سے ماروی کو اپنی طرف بلایا۔ وہ مسکراتی ہوئی' اسے ٹھینگا دکھاتی ہوئی دلہن کے پاس آگئی۔ وہاں ایک لڑکی اس کے ہاتھوں پر مہندی لگا رہی تھی۔ ماروی دلہن کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''واہ۔ کیا بات ہے۔ کیا خوب گل بوٹے بنائے جا رہے ہیں۔ دل میں بھی ایسے ہی گل کھل رہے ہوں گے۔''

دلہن نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے اسے کہنی مارتے ہوئے کہا۔ ''اپنی بات کرو۔ سچل کے نام کی مہندی کب لگا رہی ہو؟''

وہ اس کی ہتھیلی کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ''مقدر ہماری ہتھیلیوں پر کتنی ہی لکیریں کھینچ دیتا ہے۔ بس ایک پیا کا نام نہیں لکھتا۔ ہم اس کا نام مہندی سے لکھتی ہیں۔''

''جانتی ہو' ہماری ہتھیلی پر اُن کا نام کیوں لکھا جاتا ہے؟''

ماروی نے اپنی ہتھیلی اس کے آگے کی۔ پھر مٹھی بند کرتے ہوئے کہا۔ ''تاکہ ہم اس نام کو مٹھی میں جکڑ لیں۔ پھر کہیں جانے نہ دیں۔''

اس بات پر وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگیں۔ دلہن اس کے پیچھے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''وہ تمہارا سچل اسی طرف آرہا ہے۔''

اس نے ایک ادائے ناز سے سر گھما کر اُدھر دیکھا۔ پھر سہیلی سے کہا۔ ''لوہا مقناطیس کی طرف نہیں آئے گا تو کدھر جائے گا؟''

پھر اسے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی۔ سچل نے اس کے پاس آتے ہی جھپٹنے کے انداز میں اسے ایک جھٹکے سے بازوؤں میں اٹھا لیا۔ ہر طرف سے سیٹیوں اور تالیوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ ماروی گڑبڑا گئی تھی۔ اس کے کشادہ سینے پر مکے برساتے ہوئے چلا رہی تھی۔ ''یہ کیا کر رہے ہو؟ مجھے نیچے اتارو.....''

لڑکے لڑکیاں تالیاں بجا بجا کر سچل کو داد دے رہے تھے۔ محبوب نے بھری محفل

میں اپنا حق جتایا تھا۔ ماروی کو اچھا لگ رہا تھا مگر شرم بھی آرہی تھی۔ وہ چند قدم بعد ہی اچھل کر اس کی گود سے اتر گئی۔ پلٹ کر واپس جانا چاہتی تھی۔ سچل نے فوراً ہی اس کی کلائی تھام کر کہا۔ ''کہاں چلیں...؟''

وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ ''میکے سے آئی.... میکے چلی.....''

ایک جوان نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''تیری کلائی مرے یار کے ہاتھ....''

ایک جوان لڑکی نے ٹھمکا لگاتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا ارادے ہیں ترے یار کے ساتھ...؟''

سچل نے کہا۔ ''ارادے جوان ہیں۔''

ماروی نے کہا۔ ''ہم تو نامہربان ہیں۔''

لڑکیاں واہ۔ واہ... اور لڑکے ہائے۔ ہائے کرتے ہوئے ناچنے گانے لگے۔ بزرگ خواتین و حضرات سب ہی ہائی سوسائٹی کے فراخدل والدین تھے۔ کوئی دور سے انجوائے کر رہا تھا۔ کوئی ان کے درمیان آکر تھرک رہا تھا۔ جب دھوم دھڑکا عروج پر آیا تو ماروی اور سچل چپکے سے کھسک کر باہر لان میں آگئے۔

ماروی نے اس کے بازو پر چٹکی بھرتے ہوئے پوچھا۔ ''سب کے سامنے ایسے اُٹھالیا' جیسے میں تمہاری جاگیر بن گئی ہوں۔''

''کیا تمہیں اچھا نہیں لگا؟''

وہ ہائے کہتے ہوئے اس کے سینے پر سر رکھ کر بولی۔ ''بہت اچھا لگا...''

وہ جھک کر سرگوشی میں بولا۔ ''کہو تو بابا سائیں کے گھر سے اٹھا کر تمہیں اپنے گھر لے جاؤں؟''

''اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ میرے بابا سائیں تمہیں پسند کرتے ہیں۔ انہیں ہماری شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

وہ ایک ذرا فخر سے بولا۔ ''ہو بھی نہیں سکتا۔ آفٹر آل..... میرے ڈیڈ پارٹی کے چیئرمین ہیں۔''

''وہ چیئرمین ہیں اور میرے بابا سائیں پارٹی کے سب سے اسٹرانگ لیڈر

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

ہیں۔ بزرگوں کے سیاسی تعلقات ہمارے لئے فائدہ مند ثابت ہو رہے ہیں۔"

وہ بولا۔ "بائی داوے...تم اپنی سہیلی کا ہاتھ تھام کر کیا دیکھ رہی تھیں؟ کیا نجومی بن گئی ہو؟ لکیریں پڑھ کر مستقبل کا حال بتا رہی تھیں؟"

وہ بولی۔ "تم نے اس کے ہاتھ نہیں دیکھے۔ نازک ہتھیلیوں پر سہاگ کے پھول کھل رہے تھے۔"

"اُسے چھوڑو.....میں تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ آج تم ضرورت سے زیادہ حسین لگ رہی ہو۔ یہ پنک سوٹ تم پر بہت سوٹ کر رہا ہے۔ کھلا ہوا گلاب نظر آ رہی ہو۔"

وہ اپنی تعریف سن کر ایک ذرا لہرا گئی۔ زلفوں کو جھٹکتے ہوئے بولی۔ "اب مجھ سے انتظار نہیں ہوتا۔ یہ بتاؤ' مجھے سرخ جوڑا کب پہناؤ گے؟ کب اپنے نام کی مہندی میرے ہاتھوں میں لگاؤ گے؟"

"میں دیکھ رہا ہوں' ہمارے بزرگ ہم سے زیادہ اس رشتے داری کے لئے بے چین ہیں۔ وہ جلد ہی ہماری شادی کا اعلان کریں گے۔"

ناچ گانے کے بعد کھانے پینے کا دور شروع ہو گیا تھا۔ ماروی سب رنگ تتلی بنی ہوئی تھی۔ ادھر سے اُدھر اڑتی پھر رہی تھی۔ ورثے میں ملنے والا عیش و عشرت اور سچل جیسے خوبرو جوان کی محبت اُسے باغ و بہار بنائے رکھتی تھی۔ جب بہار آتی ہے تو بھنورے بن بلائے مہمان کی طرح چلے آتے ہیں۔ ایسے میں کوئی ایک ہی من کا میت بنتا ہے اور وہ سچل کو اپنا میت بنا چکی تھی۔

دیکھنے والوں کی آنکھوں پر پٹی نہیں باندھی جاتی۔ وہ سچل کی منظورِ نظر بنی ہوئی تھی۔ اس بات سے بے خبر تھی کہ اُس بھری محفل میں کوئی بڑی رازداری سے اُس تتلی کو دیکھ رہا ہے اور نگاہوں ہی نگاہوں میں اس کے رنگ چرا رہا ہے۔

ڈنر کے بعد محفلِ غزل کا اہتمام کیا گیا تھا۔ لیکن اچانک ہی لائٹ چلی گئی۔ آنکھوں کو چندھیا دینے والی روشنیاں گل ہوئیں تو گہرا اندھیرا چھا گیا۔ ملازموں کو فوراً ہی موم بتیاں جلانے کا حکم دیا جا رہا تھا۔ کوئی پاور ہاؤس والوں کو فون کرنے کا مشورہ دے رہا تھا۔ سب ہی اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے۔

دلہن کے والد کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ کہہ رہے تھے۔ "یہ ہمارا ملک ہے۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں' یہاں عین موقع پر کوئی نہ کوئی جھمیلا ہوتا ضرور ہے۔ میں نے حفظِ ماتقدم کے طور پر جنریٹر کا بندوبست کیا ہوا ہے۔ آپ حضرات اطمینان سے بیٹھے رہیں۔ بس ابھی تھوڑی دیر میں روشنی ہو جائے گی۔"

ماروی ایک طرف کھڑی ہوئی سایہ سایہ نظر آنے والے مہمانوں کو دیکھ رہی تھی۔ سچل تھوڑی دیر پہلے اپنے دوستوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ اس نے اسے کوٹھی کے پورچ میں دیکھا تھا' پھر لائٹ چلی گئی تھی۔ وہ دیدے پھاڑ پھاڑ کر اُس طرف دیکھ رہی تھی۔ ایسے ہی وقت چونک گئی۔ عقب سے کسی نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔ لمس اجنبی اجنبی سا تھا۔ مگر یہ خیال بھی تھا کہ سچل ہی ایسی بے باکی دکھا سکتا ہے۔ وہ فوراً ہی پلٹ کر بولی۔ "سچل.....! یہ تم ہو...؟"

پلک جھپکتے ہی وہ ہاتھ شانے سے سرکتا ہوا اس کی کلائی چھوتا ہوا گزر گیا۔ وہ اپنے محبوب کو اندھیرے میں بھی پہچان سکتی تھی۔ وہ ذرا فاصلے پر کھڑا ہوا' سایہ سایہ دکھائی دینے والا سچل نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ اچھل کر دو قدم پیچھے جاتے ہوئے بولی۔ "کون ہو تم؟"

اس سائے نے بھاری بھرکم سرگوشی میں کہا۔ "تمہارا دیوانہ.....اور یہ دیوانہ بہت جلد اپنی دیوانگی دکھانے والا ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ وہاں سے پلٹ گیا۔ اسے اندھیرے میں گم ہوتے دیر نہیں لگی۔ کوٹھی کے ملازم موم بتیاں جلا کر لا رہے تھے۔ شامیانے کے نیچے لان میں کسی حد تک روشنی ہو گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہی جنریٹر آن کر دیا گیا۔ اندھیرے میں ڈوبنے والی کوٹھی ایک بار پھر جگمگا اٹھی۔ وہ پریشان ہو کر ایک ایک مہمان کو دیکھ رہی تھی۔ پتہ نہیں وہ کون تھا' جس نے ایسی بے باکی کا مظاہرہ کیا تھا اور آئندہ نہ جانے کیسی دیوانگی دکھانے والا تھا؟

سچل نے آ کر اس کے شانے کو تھپتھپایا تو وہ بری طرح چونک گئی۔ وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "کیا ہوا؟ تم تو ایسے اچھل پڑیں' جیسے میں نے کرنٹ مارا ہو۔"

"تم.....تم کہاں تھے.....؟"

"میں تو یہیں تھا۔ مگر تم شاید کہیں گم تھیں اور یہ تمہاری رنگت کیوں اڑی ہوئی ہے؟"

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

اس کی نظریں اب بھی مہمانوں میں اس اجنبی کو تلاش کر رہی تھیں۔ وہ اسے تمام صورتحال بتاتے ہوئے پریشانی سے بولی۔ ”تم ہی سوچو.....وہ کون ہو سکتا ہے؟“

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ”کم آن ڈارلنگ! شمع جلتی ہے تو پروانے آتے ہی ہیں۔ ہوگا کوئی تمہارا دیوانہ...روشنی میں اپنے دل کی بات نہ کہہ سکا۔ بزدل تھا۔ اندھیرے میں تیر چلا گیا۔“

”وہ دل کی بات کہہ کر نہیں گیا ہے.....دھمکی دے کر گیا ہے۔“

”تم کیا سمجھتی ہو، وہ تمہیں مجھ سے چھین کر لے جائے گا؟“

ماروی نے اُسے خاموش نظروں سے دیکھا۔ وہ بولا۔ ”شیر کے منہ سے نوالہ چھیننا آسان نہیں ہوتا۔ میرے کسی رقیب نے بس یونہی اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہوگی۔“

”مگر وہ کون ہو سکتا ہے؟“

وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنے ساتھ لیتا ہوا ایک طرف جانے لگا۔

”کم آن...ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں سے پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ پارٹی انجوائے کرو۔“

دلہن کے دونوں ہاتھوں پر کہنی تک مہندی لگائی جا چکی تھی۔ اب پیروں پر گل بوٹے بنائے جا رہے تھے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جہاں بجتی ہے شہنائی، وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں۔ اُس رونق میلے میں اچانک ہی تڑاتڑ فائرنگ کی آوازیں گونجنے لگیں۔ سب ہی پریشان ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ کوٹھی کے گارڈز دوڑتے ہوئے گلی میں آئے تو وہاں مسلح افراد کو دیکھ کر ٹھٹھک گئے۔ انہوں نے فوراً ہی گارڈز کو گن پوائنٹس پر لے کر انہیں ہتھیار پھینکنے پر مجبور کر دیا۔

ایسے ہی وقت ایک لینڈ کروزر آندھی طوفان کی رفتار سے آ کر کوٹھی کے مین گیٹ کے سامنے رکی۔ اس میں سے چار مسلح افراد نکل کر دندناتے ہوئے اندر چلے آئے۔ انہیں دیکھ کر سب ہی پر ہیبت طاری ہو گئی۔ عورتیں اور بچے سہم کر چیخنے چلانے لگے۔ مائیں بچوں کو اپنی آغوش میں سمیٹ کر جہاں بیٹھی ہوئی تھیں، وہیں دبک کر بیٹھی رہ گئی تھیں۔

ان میں سے ایک جوان نے آگے بڑھ کر دلہن کی کلائی تھام لی۔ وہ اپنا ہاتھ چھڑانے کے لئے چیخنے چلانے لگی۔ وہ اس کی کلائی کو جھٹکا دے کر اسے اپنی طرف کھینچتے

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

ہوئے بولا۔ ”یہاں کس کے نام کی مہندی لگائی جا رہی ہے؟“

دلہن کے والد نے چلا کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ”راجہ نواز.....! میری بیٹی کو چھوڑ دے۔“

وہ پلٹ کر اسے نشانے پر لیتے ہوئے بولا۔ ”یہ ہاتھ پہلے ہم نے مانگا تھا۔“

وہ بولا۔ ”اور میں نے صاف انکار کر دیا تھا“

”. ت تو ابھی چل رہی تھی۔“

”وئی بات نہیں چل رہی تھی۔ مجھے تمہارا رشتہ منظور نہیں ہے۔“

راجہ نواز دلہن کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ”ہمیں تمہاری منظوری نہیں چاہئے۔ یہ ہماری پسند ہے، کسی اور کی کیسے ہو سکتی؟“

ایک شخص نے دولہا کو گن پوائنٹ پر رکھا ہوا تھا۔ وہ اسے دھکا دے کر نواز کی طرف لپکتے ہوئے بولا۔ ”کمینے.....! میں تیرا خون پی جاؤں گا۔“

پھر اس سے پہلے کہ وہ راجہ نواز پر حملہ کرتا۔ دوسرے مسلح افراد نے فوراً ہی اسے پکڑ لیا۔ دلہن کا حنائی ہاتھ راجہ نواز کے کھردرے شکنجے میں تھا۔ مہندی سے بنے ہوئے گل بوٹے اس کی گرفت میں کچلے جا رہے تھے۔ مہندی آلودہ ہو کر پھیل رہی تھی۔ اب نہ وہاں رنگ چڑھنے والا تھا۔ نہ حنا کی خوشبو اپنے پیا کو پکارنے والی تھی۔ وہ دلہن کے باپ سے بولا۔ ”ہم سے رشتہ داری کرو گے تو فائدے میں رہو گے۔“

وہ غصے سے بولا۔ ”مجھے تم سے کوئی رشتہ نہیں جوڑنا ہے.....“

وہ دلہن کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ”لیکن ہم جس چیز پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں، وہ ہماری ہو جاتی ہے۔ تمہاری بیٹی ہماری نہیں ہوگی تو.....“

اس نے دولہا کی طرف حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کسی اور کی بھی نہیں ہو سکے گی۔“

پھر وہ دلہن کے حنائی ہاتھوں کو دیکھ کر بولا۔ ”یہاں صرف ہمارے نام کی مہندی رچے گی۔“

یہ کہتے ہی اس نے اپنی گن سیدھی کی۔ ٹریگر پر انگلی کا دباؤ ڈالا۔ ٹھائیں کی آواز

کے ساتھ ہی ایک سنسناتی ہوئی گولی دولہا کے قریب سے گزر گئی۔ وہ بولا۔ ”یہ تمہارے سینے کے پار ہو سکتی ہے۔ بولو دلہن چاہتے ہو یا اپنی طویل زندگی...؟“

وہ بیچارہ دلہن لینے آیا تھا اور موت چیلنج کر رہی تھی۔ ایک نہیں کئی بندوقیں اسے چھلنی کر سکتی تھیں۔ وہ پریشان ہو کر دلہن کو بڑی بے بسی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ موت کی آغوش میں اسے قبول کرتا تو اس کی گرما گرم آغوش کبھی نہ ملتی۔

ایک طرف کھڑی ہوئی ماروی نے تڑپ کر تجّل کے بازو کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ ”ہائے تجّل...! میری سہیلی کے لئے کچھ کرو۔ ہم حکمران پارٹی کے لوگ ہیں۔ کیا تم انہیں روک نہیں سکتے ؟“

اس نے کہا۔ ”سوری! میں کوئی فلمی ہیرو نہیں ہوں۔ کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہوں گا۔“

”پولیس کو تو کال کر سکتے ہو؟“

وہ بولا۔ ”میرے پیچھے دیکھو۔“

ماروی نے دیکھا تو سہم گئی۔ تجّل کے پیچھے ایک گن مین کھڑا ہوا تھا۔ ایسی حالت میں وہ موبائل فون کے ذریعہ کسی سے بھی رابطہ نہیں کر سکتا تھا۔ اُدھر دولہا کے ماں باپ نے اپنے لاڈلے کو دونوں طرف سے پکڑ کر اسے کھینچتے ہوئے دور لے جاتے ہوئے کہا۔ ”ہمیں یہ رشتہ نہیں کرنا ہے۔ جان ہے تو جہان ہے۔ جان رہے گی تو دنیا جہان کی دلہنیں مل جائیں گی...“

وہ اپنے دولہا بیٹے کو وہاں سے کھینچتے ہوئے لے گئے۔ دلہن پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے محبوب کو میدان چھوڑ کر جاتے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس آلودہ ہو جانے والی مہندی کو دیکھ رہی تھی۔ محبت اب کتابوں اور فلموں میں رہ گئی ہے۔ کوئی اپنی ایک بار ملنے والی زندگی کو کسی پر قربان نہیں کرتا۔ سب اپنے اپنے حالات کے رحم و کرم پر زندگی گزارتے ہیں۔

مطالبہ کرنے والے نے دلہن کی کلائی کو ایک جھٹکے سے چھوڑ کر اس کے ماں باپ سے کہا۔ ”تمہاری بیٹی ہمارے نام ہو چکی ہے۔ یہاں صرف ہماری بارات آئے گی۔ اس کے ہاتھوں پر کوئی اور اپنے نام کی مہندی لگانا چاہے گا تو اسی طرح دُم دبا کر بھاگے گا یا اپنی

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

جان سے جائے گا۔“

وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جاتے ہوئے بولا۔ ”اچھی طرح سوچ لو۔ ہم پھر کسی دن شادی کی تاریخ مقرر کرنے آئیں گے۔“

وہ چلے گئے۔ بارات کا دولہا ان سے پہلے جا چکا تھا۔ جہاں رقص تھا' موسیقی تھی' زندگی سے بھرپور قہقہے تھے۔ وہاں ماتمی خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ دلہن سر جھکائے بیٹھی اپنے دونوں ہاتھوں سے مہندی چھڑا رہی تھی۔

☆☆☆

پیر شاہ محمد اپنی محل نما حویلی کے وسیع و عریض ڈرائنگ روم میں ٹہل رہا تھا۔ ایسے وقت ایک ملازم نے آ کر بڑے ادب سے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ ”سائیں! وہ نور محمد کو لے آئے ہیں۔“

وہ بڑے شاہانہ انداز میں اپنی مخصوص نشست پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”اسے فوراً حاضر کرو۔“

ملازم حکم کی تعمیل کے لئے الٹے قدموں چلتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی نور محمد کو اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ پیر شاہ محمد نے غرّا کر پوچھا۔ ”یہ تُو کیا کرتا پھر رہا ہے؟“

وہ فوراً ہی آگے بڑھ کر اس کے قدموں میں گر گیا۔ گڑگڑاتے ہوئے بولا۔ ”میں نے کچھ نہیں کیا سائیں....! مجھ پر الزام لگایا جا رہا ہے۔“

وہ اسے ایک ٹھوکر مارتے ہوئے بولا۔ ”میرے خاص ماتحت نے تجھے دوسری پارٹی کے بندے کے ساتھ دیکھا ہے۔ کیا تُو اُسے جھٹلائے گا؟“

بوڑھا نور محمد ایک طرف لڑھک گیا تھا۔ تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا۔ ”یہ سچ ہے سائیں....! مگر.....“

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اسے دوسری ٹھوکر مارتے ہوئے بولا۔ ”مگر کیا....؟ اگر یہ سچ ہے تو مگر کیا....؟“

وہ تکلیف سے دوہرا ہو گیا تھا۔ ہاتھ جوڑ کر روتے ہوئے بولا۔ ”مجھے خبر نہیں تھی

سائیں! کہ وہ دوسری پارٹی کا بندہ ہے۔ میں تو.....“

”ہاں۔ تُو تو نادان بچہ ہے۔ ابھی ان سے راہ ورسم بڑھا رہا ہے۔ کل اسی نادانی میں اپنے خاندان کے ووٹ اُن کی جھولی میں ڈال دے گا؟“

وہ بری طرح گرج رہا تھا‘ برس رہا تھا۔ اسے ٹھوکریں مار رہا تھا۔ بوڑھے نور محمد کی ہڈیاں دکھنے لگی تھیں۔ وہ اُس کے قدموں میں اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے بولا۔ ”مجھے اپنے بچوں کی قسم سائیں.....! میں اسے نہیں جانتا تھا۔ اگر یہ معلوم ہوتا کہ وہ دوسری پارٹی کا بندہ ہے تو قسم لے لیں سرکار! میں اس کے سائے سے بھی دور بھاگتا۔ آپ ہمارے مائی باپ ہیں۔ میں تو کیا‘ میری آئندہ نسلیں بھی آپ سے غداری نہیں کرسکتیں۔“

پیر شاہ محمد اسے ایک ٹھوکر مارتا ہوا اپنی نشست پر آگیا۔ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے بولا۔ ”کیا کہہ رہا تھا وہ.....؟“

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ”وہ کسی کا پتہ پوچھ رہا تھا۔ مگر اس نام کا کوئی بندہ ہمارے علاقے میں نہیں رہتا۔ بس اتنی بات ہوئی تھی‘ پھر وہ اپنی راہ چلا گیا تھا اور میں اپنے گھر آگیا تھا۔“

اس بوڑھے کے چہرے پر سچائی کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ پیر شاہ محمد نے ایک ذرا نرم پڑتے ہوئے کہا۔ ”میں ظالم اور جابر حکمران نہیں بننا چاہتا۔ مگر تم لوگوں کی حرکتیں مجھے مجبور کردیتی ہیں۔ جانتے ہو‘ تمہاری وجہ سے میرا کتنا وقت برباد ہوا ہے؟ جاؤ..... دفع ہوجاؤ۔“

وہ اپنی ہڈیاں سہلاتے ہوئے بولا۔ ”مجھے معاف کردیں سائیں.....! آئندہ میں کسی اجنبی سے بات تو کیا‘ اسے سلام بھی نہیں کروں گا۔“

وہ بیزار ہوکر بولا۔ ”ٹھیک ہے۔ جاؤ... دفع ہوجاؤ......“

وہ بڑی انکساری سے اُسے سلام کرتا ہوا الٹے قدموں چلتا ہوا وہاں سے باہر چلا گیا۔ پیر شاہ محمد برسرِ اقتدار پارٹی سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کی سیاسی حیثیت اتنی مستحکم تھی کہ پارٹی کے تمام لیڈر اسے ریڑھ کی ہڈی کا درجہ دیتے تھے۔ ہر الیکشن میں کامیابی جیسے اُس کا مقدر بن گئی تھی۔ وہ اپنی سیاسی پوزیشن کو مزید مستحکم کرنے کے لئے جوڑ توڑ کرتا رہتا تھا۔ اسی

لئے اپنی اکلوتی بیٹی ماروی کو پارٹی کے چیئرمین اللہ وسائے کے بیٹے سچل سے منسوب کرنا چاہتا تھا۔

آئندہ الیکشن سے پہلے ہی مخالفین ایک دوسرے کو اوندھے منہ گرانے کی تدبیریں کرتے رہتے ہیں۔ سیاسی بازیگری کے نت نئے منصوبے بناتے رہتے ہیں۔ اُس بوڑھے نور محمد کے جاتے ہی پیر محمد شاہ نے موبائل فون پر نمبر پنچ کئے۔ پھر اسے کان سے لگا کر کہا۔ ”ہاں۔ کیا ہوا.....؟ لڑکی وہاں پہنچ گئی...؟“

اس نے دوسری طرف کی باتیں سنیں۔ پھر قہقہہ لگاتے ہوئے رابطہ ختم کردیا۔ ایک منصوبے کے مطابق اپنے ہی علاقے کی ایک لڑکی کو اغوا کرا کے اس کی عزت کی دھجیاں اڑائی گئی تھیں۔ پھر اسے قتل کرکے اپوزیشن پارٹی کے بہت بڑے غنڈے کے اڈے میں پھینک دیا گیا تھا۔ اب یہ اغوا‘ ریپ اور قتل کا الزام اپوزیشن والوں پر آنے والا تھا۔ بیگم شاہ نے وہاں آتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا ہورہا ہے؟“

وہ اپنے فون کو دیکھ کر مسکرانے لگا۔ پھر بولا۔ ”الیکشن کی تیاری.....“

وہ اس کے سامنے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ”الیکشن کی نہ کہیں..... جیت کی تیاری کہیں۔ نیشنل اسمبلی کو تو آپ نے اپنی سسرال بنالیا ہے۔ نہ آپ اس سے دور ہوتے ہیں‘ نہ وہ آپ سے الگ ہوتی ہے۔“

پیر شاہ محمد نے بڑے فخر سے کہا۔ ”عروج اسی کو کہتے ہیں بیگم.....!“

”واقعی..... آپ کامیاب سیاستدان ہیں۔ لیڈر اپنی پارٹی کے محتاج ہوتے ہیں۔ مگر یہ برسرِ اقتدار پارٹی آپ کی محتاج رہتی ہے۔“

”اسی لئے تو پارٹی کا چیئرمین اللہ وسائے مجھے اپنا سمدھی بنانا چاہتا ہے۔ بڑا مفاد پرست بندہ ہے۔ یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ رشتہ داری کے بعد میں کبھی لوٹا نہیں بنوں گا۔ اس کی پارٹی چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔“

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ”آپ بھی تو اپنے مفادات دیکھتے ہوئے بیٹی کی پسند پر سر جھکا رہے ہیں۔ پارٹی کے چیئرمین سے رشتہ داری معمولی بات نہیں ہے۔“

”یہ تو ہے..... ماروی کی پسند پر داد دینی پڑتی ہے۔“

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

وہ بولی۔ ”آخر بیٹی کس کی ہے؟ اُس نے سوچ سمجھ کر ہی سچل کا انتخاب کیا ہے۔“

”آئندہ الیکشن سے پہلے ہی شادی کی بات چلائی جائے گی۔“

”فی الحال منگنی کر دی جائے تو کیسا رہے گا؟“

وہ مسکرا کر بولا۔ ”خواتین تو بس تقریبات کے بہانے ڈھونڈتی ہیں۔ پہلے بات تو چلنے دو۔“

”بات کیا چلانی ہے؟ اللہ وسائے اور ہم سب ہی اپنے بچوں کی پسند سے بخوبی واقف ہیں۔ پھر دیر کس بات کی ہے؟“

”ہم سیاسی جوڑ توڑ میں مصروف ہیں اور تمہیں نئے رشتہ داریاں جوڑنے کی جلدی ہے۔“

”الیکشن کے بعد تو آپ اور زیادہ مصروف ہو جاتے ہیں۔“

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلنے کے انداز میں ذرا دور گیا۔ پھر پلٹ کر بولا۔ ”شادی یا منگنی کب ہونی چاہیے؟ اس کے بارے میں تم ماروی اور سچل کی رائے معلوم کرو۔“

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ”میں ان کی رائے اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ تو کل کا کام آج اور آج کا ابھی چاہیں گے۔“

”ٹھیک ہے۔ تو پھر مناسب موقع دیکھ کر اللہ وسائے سے بات کی جائے گی۔ اصولاً اسے بیٹے کا رشتہ لے کر ہمارے گھر آنا ہوگا۔“

ایک طرف پیر شاہ محمد ماروی کو چیئرمین کی بہو بنا کر اپنی سیاسی پوزیشن مستحکم کرنا چاہتا تھا۔ بیٹی کی خوشی کے پیچھے اپنے مفادات کا حساب کرتا رہتا تھا تو دوسری طرف اللہ وسائے بھی سیاست کا بازیگر تھا۔

وہ اس وقت اپنے خاص مشیروں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ ایک مشیر نے کہا۔ ”پیر شاہ محمد کے علاقے میں حسب توقع بڑی حوصلہ افزا صورتحال دیکھنے میں آ رہی ہے۔ اس بار بھی وہ کسی نہ کسی شعبے کی وزارت حاصل کر کے ہی رہے گا۔“

دوسرے مشیر نے کہا۔ ”اسے ہمیشہ ہی منہ مانگی وزارت دینی پڑتی ہے کیوں سائیں....!“

اللہ وسائے نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ ”وہ اپنی اہمیت خوب سمجھتا ہے۔ اس لئے من مانیاں کرتا رہتا ہے۔“

ایک مشیر نے ذرا ناگواری سے کہا۔ ”من مانیاں نہیں سائیں..! کھلی دھاندلیاں کرتا رہتا ہے وہ...“

وہ اٹھ کر ٹہلنے کے انداز میں ادھر سے ادھر جاتے ہوئے بولا۔ ”پارٹی کو فائدہ پہنچانے والوں کی قدر کرنی پڑتی ہے بابا.....“

پھر وہ ان کے سامنے ایک صوفے پر بیٹھ کر مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے بولا۔ ”مگر اب اُس خود سر گھوڑے کو لگام ڈالنے کا وقت آ رہا ہے۔ میرے بیٹے کا انتخاب بہت زبردست ہے۔ پیر شاہ محمد سے رشتہ داری کا مزہ آ جائے گا۔“

ایک مشیر نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ ”سچل بابا آپ کے صاحبزادے ہیں سائیں! سیاسی بازیگری کو خوب سمجھتے ہیں۔ پھر یہ کہ آپ انہیں نیشنل اسمبلی کا الیکشن لڑنے کے لئے ٹکٹ دینے والے ہیں۔“

اللہ وسائے نے فخریہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ ”پیر شاہ محمد ہماری پارٹی کے لئے بہت اہم ہے۔ ہمیشہ اپنے علاقے میں اپنے حمایتیوں اور ووٹروں کی تعداد بڑھا کر نمایاں کامیابیاں حاصل کرتا رہتا ہے۔ ہمارا سچل بھی یہی کر رہا ہے۔ دیکھ لینا‘ سب سے زیادہ ووٹ لے کر اسمبلی میں پہنچے گا۔“

سچل کی آواز سنائی دی۔ ”اور یہ بیٹا آپ کی سیاسی پارٹی کو اور زیادہ مستحکم کرے گا۔“

اللہ وسائے بیٹے کی آواز سن کر چونک گیا۔ سچل ڈرائنگ روم میں داخل ہو رہا تھا۔ باپ اسے اپنے قریب ایک صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ”آؤ بیٹے...! آؤ...کیا کرتے پھر رہے ہو؟“

وہ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ دونوں مشیروں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”ہمیں اجازت ہے سائیں....!“

اللہ وسائے نے ایک ہاتھ ہلا کر انہیں جانے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں انہیں سلام کرتے ہوئے چلے گئے۔ اس نے بیٹے سے پوچھا۔ ”کہاں مصروف ہو بابا....؟“

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

''دوستوں کے ساتھ شکار پر جانے کا پروگرام بن رہا ہے۔ وہیں مصروف تھا۔''

باپ نے مسکرا کر کہا۔ ''میں سوچ رہا ہوں' الیکشن کے بعد تمہارے پیروں میں زنجیر ڈال دی جائے۔''

وہ مسکرا کر بولا۔ ''میں خوب سمجھتا ہوں' آپ کو میرے پیروں میں نہیں.... بلکہ پیر شاہ محمد کے پیروں میں زنجیر ڈالنے کی جلدی ہے۔''

وہ ایک زوردار قہقہہ لگا کر بولا۔ ''وہ بیٹی کا باپ ہے.... بس یہی اس کی سب سے بڑی کمزوری ہے اور میں اِس کمزوری کو جلد از جلد اپنے ہاتھوں میں لینا چاہتا ہوں۔ وہ خود کو مقدر کا سکندر کہتا ہے۔ میں اسے اپنے ہاتھوں کا بندر بنا دوں گا' پھر میں جیسے جیسے ڈگ ڈگی بجاؤں گا' ویسے ویسے وہ ناچتا رہے گا....''

بیٹے نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ ''بیٹی بہو بن کر آئے گی تو وہ آپ کے دباؤ میں رہے گا۔''

باپ نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''بشرطیکہ شادی کے بعد تم بیوی کے دباؤ میں نہ رہو.....''

''کم آن ڈیڈ....! کیا میں آپ کو ایسا لگتا ہوں؟ یہ ٹھیک ہے کہ ماروی میری پسند ہے۔ لیکن سیاست میرے لئے زیادہ اہم ہے۔''

وہ بیٹے کے شانے کو تھپک کر اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے بولا۔ ''جیو بابا جیو..... زندگی میں ہر رشتے کو' ہر جذبے کو سیاست کی کسوٹی پر پرکھتے رہو گے تو ایک دن میرا یہ مقام حاصل کر لو گے۔''

ایسے ہی وقت بچل کا چھوٹا بھائی بجل وسائے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ اس کے بگڑے ہوئے تیور بتا رہے تھے کہ وہ شدید غصے میں ہے۔ باپ نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔ ''کیا بات ہے بابا..... بڑے غصے میں دکھائی دے رہے ہو؟''

وہ ان کے سامنے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ بچل نے کہا۔ ''تم تو پریس کانفرنس میں ڈیڈی کی نمائندگی کرنے گئے تھے۔ کیا وہاں کوئی بات ہوئی ہے؟''

اس نے ان دونوں کو دیکھا۔ پھر دانت پیس کر کہا۔ ''ہاں۔ ایک معمولی جرنلسٹ

نے مجھ سے بدتمیزی کی ہے۔ میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔''

باپ نے کہا۔ ''صحافی کبھی معمولی نہیں ہوتا۔ یہ اخبارات پر رینگنے والے کیڑے مکوڑے بڑے زہریلے ہوتے ہیں۔ ہم جیسے سیاستدانوں کو ان سے بنا کر رکھنی پڑتی ہے۔''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ ''میں اپنی بے عزتی کا بدلہ ضرور لوں گا۔ وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گی۔''

بچل اور اللہ وسائے نے ایک ذرا چونک کر اسے دیکھا۔ بچل نے کہا۔ ''اچھا تو وہ لڑکی ہے؟''

وہ بولا۔ ''ہاں۔ اور یہی اس کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ اس کے باوجود کانفرنس میں بڑی دیدہ دلیری سے ہمارے خلاف زہر اگل رہی تھی۔''

اللہ وسائے نے پوچھا۔ ''آخر بات کیا ہوئی ہے؟''

''وہ بدذات فرما رہی تھی کہ ہمارے ملک کے حکمران جاہل اور عاقبت نا اندیش ہوتے ہیں۔ جب تک ایسے حکمرانوں کی چھٹائی نہیں ہوگی' تب تک ملک کی حالت بہتر نہیں ہوگی۔ وہ لفظوں کی ہیرا پھیری سے ہمیں جاہل کہہ رہی تھی۔ میں نے کہا' یہ پرانی باتیں ہیں۔ ہماری برسرِ اقتدار پارٹی کا ہر رکن اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے۔ جانتے ہیں اس نے میری بات کے جواب میں کیا کہا....؟''

بچل اور اللہ وسائے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔ وہ بولا۔ ''کہنے لگی' وہ برسرِ اقتدار پارٹی کے کئی ایسے اراکین کو جانتی ہے' جنہوں نے مشکل سے دس جماعتیں پاس کی ہوں گی۔ لیکن وہ گریجویٹ ہونے کی سند لئے پھرتے ہیں۔ وہ براہِ راست مجھ پر چوٹ کر رہی تھی۔''

وہ غصے سے صوفے پر پہلو بدلتے ہوئے بولا۔ ''وہاں اپوزیشن والے بھی تھے۔ اس بات پر ڈیسک بجا بجا کر اسے داد دینے لگے۔ میرا تو خون کھول رہا تھا۔ میں نے اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کے لئے آپ کی اور ادا بچل کی تعلیمی قابلیت کا حوالہ دیا۔ اپنی تعلیم بھی بڑھ چڑھ کر بتائی تو اس سالی نے میری بات پکڑ لی۔ کہنے لگی' بے شک آپ تعلیم یافتہ ہوں گے۔ بائی دا وے۔ سانچ کو آنچ کیا؟ آپ ذرا بزنس کی اسپیلنگ بتا دیں۔''

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ شدید غصے سے بولا۔ ''مجھے تو ایسا لگ رہا تھا' جیسے میں پریس کانفرنس میں نہیں بلکہ کمرہ امتحان میں بیٹھا ہوا ہوں۔''

سچل نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔ ''امتحان میں پاس ہوئے یا فیل...؟''

وہ باپ اور بھائی سے نظریں چراتے ہوئے بولا۔ ''اس نے اچانک ہی ایسا بے سروپا سوال کیا تھا کہ میں کوئی جواب نہ دے سکا۔ اسے اچھی طرح الٹی سیدھی سنا دی۔''

سچل نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''شٹ....''

وہ باپ کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میری وہاں بہت بے عزتی ہوئی ہے ڈیڈ! اپوزیشن والوں کے سامنے اس چھوکری نے مجھے بہت ذلیل کیا ہے۔ میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔''

ایسے ہی وقت اس کے موبائل فون کا بزر بولنے لگا۔ وہ اسے آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے بولا۔ ''ہاں کہو.... کیا خبر ہے؟''

دوسری طرف سے اس کے ایک خاص ماتحت کی آواز سنائی دی۔ ''آپ کا کام ہو گیا ہے سائیں! اس صحافی لڑکی کا نام بانو ثمینہ ہے۔ وہ آج ہی اٹھا لی جائے گی۔ آپ فارم ہاؤس میں رات کالی کر سکیں گے۔''

وہ بڑی خباثت سے مسکرا کر بولا۔ ''گڈ.... ویری گڈ... اسے وہاں پہنچاتے ہی مجھے اطلاع دو۔''

وہ رابطہ ختم کرتا ہوا تیزی سے پلٹ کر وہاں سے جانے لگا۔ اللہ وسائے نے پوچھا۔ ''کہاں جا رہے ہو؟''

اس نے دروازے پر رک کر کہا۔ ''صحافت کی وہ چیونٹی میری چٹکی میں آنے والی ہے۔ اس کے سارے کس بل ڈھیلے کر دوں گا۔''

سچل نے اسے تشویش بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''بچل! رک جاؤ.... بابا سائیں...! اس کا دماغ ہمیشہ چولہے کی طرح گرم رہتا ہے۔ اس کی الٹی سیدھی انتقامی حرکتیں ہمیں نقصان پہنچا سکتی ہیں۔''

وہ رکنے والا نہیں تھا۔ بھائی کی بات سنے بغیر ڈرائنگ روم سے باہر چلا گیا۔ اللہ

وسائے نے بڑے اعتماد سے کہا۔ ''جانے دو بابا... اسے زمین پر پاؤں مار کر چلنے دو۔ اگر کوئی کچلا گیا تو ہم سنبھال لیں گے۔''

سچل نے کہا۔ ''اسے صحافیوں کی مخالفت مول نہیں لینی چاہئے۔ اس لڑکی کے یوں اچانک غائب ہو جانے سے بات بگڑ سکتی ہے۔ آپ نے اسے روکا کیوں نہیں....؟''

''میں کسی وجہ سے خاموش ہوں۔ وہ ہمارے خلاف بولنے والی جرنلسٹ تو ہے اور خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن آخر کو ایک لڑکی ہے اور اپنی پرسنالٹی بنانے والی لڑکیوں کی یہ کمزوری ہوتی ہے کہ آبرو لٹ جانے کے بعد انہیں چپ لگ جاتی ہے۔ وہ ایک نمایاں مقام حاصل کرنے کے لئے دامن میں لگے ہوئے دھبے کو چھپاتی ہیں' داغدار کہلانا نہیں چاہتیں۔ وہ بھی اشتہار بننا نہیں چاہے گی۔ ہمیں بدنام کر کے خود بدنام ہونا نہیں چاہے گی اور پھر ہمارا بچل کوئی نادان بچہ نہیں ہے۔ اسے ٹھکانے لگا کر سارا معاملہ ہی ختم کر دے گا۔''

وہ اپنے موبائل فون کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میرا خیال ہے' مجھے تمہارے اور ماروی کے سلسلے میں پیر شاہ محمد سے رابطہ کرنا چاہئے۔''

اس نے نمبر پنچ کر کے فون کو کان سے لگا لیا۔ رابطہ ہونے پر کہا۔ ''ہاں سائیں.....! سب خیر خیریت ہے....؟''

دوسری طرف سے پیر شاہ محمد نے کہا۔ ''آپ کے سائے میں تو خیریت ہی خیریت رہتی ہے۔ میں سوچ ہی رہا تھا اور آپ نے فون کر لیا.....''

''کامیاب بندوں کی یہی پہچان ہوتی ہے کہ ان کے سوچتے ہی ہم جیسے لوگ حاضر ہو جاتے ہیں۔ اور سنائیں... الیکشن کی تیاریاں کیسی جا رہی ہیں؟''

''آپ کو تو خبریں مل رہی ہوں گی؟''

وہ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''میں سنی سنائی پر یقین نہیں کرتا۔ مگر آپ کے معاملے میں کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ کامیابی تو آپ کی باندی ہے۔''

پیر شاہ محمد نے ایک ذرا فخر سے کہا۔ ''ناکام وہ ہوتے ہیں جو مقدر کے غلام بنے رہتے ہیں۔ ہم تو مقدر سے کھلونے کی طرح کھیلتے رہتے ہیں۔''

اللہ وسائے نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''بے شک۔ خوش نصیبی تو آپ کے آگے

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

ہاتھ باندھے کھڑی رہتی ہے۔ بھئی وہ ہمارے سمدھی بننے والی بات کیا ہوئی؟ میرا بیٹا تو ہیرا ہے ہیرا.... آپ کی جوہر شناسی کیا کہتی ہے؟"

پیر شاہ محمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہیرے کی قدر و قیمت جوہری کے ہاتھوں میں آنے کے بعد بڑھتی ہے سائیں....!"

وہ اپنے بیٹے کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہی سوچ کر میں اسے آپ کی فرزندی میں دینا چاہتا ہوں۔ جب کہیں گے، ہم تاریخ طے کرنے کے لئے آپ کے دروازے پر حاضر ہو جائیں گے۔"

پیر شاہ محمد نے کہا۔ "میرا خیال ہے، ہمیں روبرو بیٹھ کر معاملات طے کرنے چاہئیں۔"

پھر انہوں نے ملاقات کا وقت مقرر کر کے رابطہ ختم کر دیا۔ سچل اور ماروی کی سیاسی اہمیت انہیں ایک دوسرے کے قریب لا رہی تھی۔ ماروی کے کان سے موبائل فون لگا ہوا تھا۔ وہ خوشی سے لہرا کر بولی۔ "او سچل....! وی آر سو لکی...."

وہ بولا۔ "ہم نے اپنی ذہانت اور سمجھداری سے خود کو لکی بنایا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے، دل کی لگی، دل لگی نہ ہو۔ خوب سوچ سمجھ کر دل لگایا جائے تو منزل ضرور ملتی ہے۔"

"نو مسٹر....! محبت سوچ سمجھ کر نہیں کی جاتی۔ یہ تو بس ہو جاتی ہے۔ کیا تم نے دل لگانے سے پہلے میرے بارے میں سوچا تھا؟"

"میرا خیال ہے، محبت اس سے کرنی چاہئے، جس سے شادی کی امید ہو۔ مگر تمہارے معاملے میں تو مجھے یقین تھا۔"

"اس کا مطلب.... تم نے سوچ سمجھ کر محبت کی ہے؟ اگر میں پیر شاہ محمد کی بیٹی نہ ہوتی تو تم مجھ سے دل نہ لگاتے؟"

وہ الجھ کر بولا۔ "یہ تم کس بحث میں پڑ گئی ہو؟ ہمیں اتنی بڑی خوشی مل رہی ہے۔ میں اسے بھرپور انداز میں انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ خوشی سے کھلکھلا کر بولی۔ "تو پھر ٹھیک ہے۔ ایک زبردست سی پارٹی ارینج کرو۔ تمام فرینڈز جمع کئے جائیں گے۔ خوب ہلہ گلہ ہوگا۔"

"نہیں۔ کوئی گٹ ٹو گیدر ہنگامہ نہیں ہوگا۔ میں تنہا تمہارے ساتھ یہ خوشی انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔ کل ہم فارم ہاؤس جائیں گے۔"

پیر شاہ محمد سیاست کی بساط پر سچل کو ایک مہرے کی حیثیت سے دیکھ رہا تھا اور دوسری طرف اللہ وسائے اپنے سیاسی مفادات پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ مستقبل میں پیر شاہ محمد کو اپنی مرضی کے مطابق جھکانے کا راستہ ہموار ہونے والا تھا۔ ماروی بہو بننے سے زیادہ اپنے باپ کی کمزوری بن کر سچل کی زندگی میں آنے والی تھی۔

دوسرے روز بزرگوں کے درمیان شادی کے معاملات طے ہونے والے تھے۔

ماروی تو جیسے ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔ کنواری پلکوں سے چنے ہوئے خواب ایک ایک کر کے پورے ہو رہے تھے۔ سچل جیسا محبوب اس کے جسم و جاں کا مالک بننے والا تھا۔ اس خوشی کو یادگار بنانے کے لئے وہ دونوں فارم ہاؤس جا رہے تھے۔

بیڈ پر یہاں سے وہاں تک جیولری، میک اپ کا سامان اور دوسری چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔ ماروی بڑے سے آئینے کے سامنے آنکھیں بند کئے کرسی پر نیم دراز تھی۔ اس کی پرسنل بیوٹیشن اس کے فیس ٹریٹمنٹ اور ہیئر سیٹنگ میں مصروف تھی۔

پیر شاہ محمد نے اندر آتے ہوئے پوچھا۔ "یہ کہاں جانے کی تیاری ہو رہی ہے؟"

وہ آنکھیں کھولتے ہوئے بولی۔ "بس ذرا آؤٹنگ کا پروگرام ہے۔"

"تمہیں اپنا پروگرام کینسل کرنا ہوگا۔ شام کو سچل کے والدین آ رہے ہیں۔ ایسے وقت تمہیں گھر میں رہنا چاہئے۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اپنے سراپے کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔ "بابا سائیں....! وہ آپ سے ملنے آ رہے ہیں۔ میں یہاں رہ کر کیا کروں گی؟"

"ان کے ساتھ سچل بھی آئے گا۔ تم نہیں رہو گی تو وہ بور ہوگا۔"

بیگم شاہ نے اندر آتے ہوئے کہا۔ "یہ سچل کے ساتھ ہی تو جا رہی ہے۔ دونوں نے آؤٹنگ کا پروگرام بنایا ہوا ہے۔"

پیر شاہ محمد نے مسکرا کر بیٹی کو دیکھا۔ پھر کمرے سے باہر چلا گیا۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوتی تھی کہ ہونے والا داماد بیٹی کا دیوانہ ہے۔ شادی کے بعد بیوی کا تابعدار بنا رہے گا۔

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

موبائل فون کا بزر سنائی دے رہا تھا۔ پیر شاہ محمد نے اسے آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''ہیلو...؟''

دوسری طرف سے کہا گیا۔ ''ہیلو سائیں...! کیا حال ہیں؟''

''کون....؟''

''لگتا ہے سائیں' زمرد خان کو بھول گئے ہیں؟''

پیر شاہ محمد نے کہا۔ ''آہا... زمرد خان....! یہ تم ہو؟ بڑے عرصے بعد یاد کر رہے ہو؟''

''یاد تو بھول جانے والوں کو کیا جاتا ہے۔ مجھے آپ بھی یاد ہیں اور آپ کا احسان بھی....''

''الیکشن کے بعد مجھے پھر کسی نہ کسی شعبے کی وزارت ملنے والی ہے۔ لگتا ہے' اس بار وقت سے پہلے کوئی عرضی دینا چاہتے ہو؟''

''ہمارا تعلق ایک ہی سیاسی پارٹی سے ہے۔ مگر مجھے صوبائی اسمبلی تک محدود رکھا جاتا ہے اور آپ کو ہمیشہ نیشنل اسمبلی کا ٹکٹ ملتا ہے۔ لیکن اس بار میں بھی نیشنل اسمبلی کے ٹکٹ پر الیکشن لڑنا چاہتا ہوں۔''

پیر شاہ محمد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''نیشنل اسمبلی کا ٹکٹ حاصل کرنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ اگر تم صوبائی اسمبلی تک محدود رہتے ہو تو یہ تمہاری سیاسی کمزوری ہے۔''

''میں کمزور نہیں ہوں۔ اس بار نیشنل اسمبلی کے ٹکٹ پر ہی الیکشن لڑوں گا اور آپ مجھے ٹکٹ دلوائیں گے۔ چیئر مین اللہ دسائے آپ کی بات کبھی نہیں ٹالے گا۔''

''کیا مجھے نادان بچہ سمجھتے ہو؟ ایسے وقت جبکہ تمام لیڈرز ایک دوسرے کو پیچھے دھکیلنے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں' میں تمہیں آگے بڑھنے کا موقع کس کھاتے میں دوں گا؟''

زمرد خان نے کہا۔ ''میں ابھی ایک کھاتہ کھولنے والا ہوں۔ وہ کھلے گا تو آپ کو موقع دینا ہی پڑے گا۔ میرا مطالبہ ماننے کے سوا آپ کے پاس اور کوئی چارہ نہیں رہے گا۔''

''تمہاری باتوں سے بلیک میلنگ کی بو آ رہی ہے۔''

''ہاں۔ شاید میں آپ کو بلیک میل ہی کر رہا ہوں۔ کیونکہ ایک کو کمزور بنا کر ہی دوسرا شہزور بنتا ہے۔''

''اچھا تو تم مجھے کمزور بنانے کے خواب دیکھ رہے ہو؟''

زمرد خان نے مسکرا کر کہا۔ ''میں خوابوں میں نہیں رہتا۔ میرے پاس آپ کے خلاف ایسے ٹھوس ثبوت ہیں' جو منظر عام پر آتے ہی آپ کے تخت کا تختہ کر سکتے ہیں۔ ذرا یہ ریکارڈنگ سنیں۔ آپ کو اپنی کمزوری کا اندازہ ہو جائے گا۔''

تھوڑی دیر بعد دوسری طرف ریکارڈر آن کر دیا گیا۔ پیر شاہ محمد کو موبائل فون پر زمرد خان کی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ پیر شاہ محمد سے کہہ رہا تھا۔ ''آپ وزیر خزانہ ہیں۔ اس کرسی پر بیٹھ کر قومی خزانے میں کروڑوں کا ہیر پھیر کرتے ہیں۔ ہم ایک ہی پارٹی کے رُکن ہیں۔ کیا آپ مجھے دس کروڑ نہیں دلوا سکتے؟''

پیر شاہ محمد کی آواز سنائی دی۔ ''بے شک۔ میں کیا نہیں کر سکتا؟ سیاہ کو سفید کر سکتا ہوں۔ مگر مجھے کتنی رکعت کو ثواب ملے گا؟''

''آپ تو اپنی پانچوں انگلیاں گھی میں ڈبونا جانتے ہیں۔ مجھے دس کروڑ کی ضرورت ہے۔ آپ اپنے کمیشن سمیت بارہ کروڑ کا چیک پاس کرا سکتے ہیں۔''

''یعنی تمہیں دس ملیں گے اور مجھے صرف دو؟ میں خیرات نہیں لیتا۔ برابر کا منافع لیتا ہوں۔ اگر کسی کو پانچ کا فائدہ پہنچاتا ہوں تو اپنی جیب میں بھی پانچ ہی ڈالتا ہوں۔''

زمرد خان کی آواز سنائی دی۔ ''یعنی آپ مجھے دس دلوائیں گے تو خود بھی دس کروڑ وصول کریں گے؟''

''ہاں یہی میرا اصول ہے۔''

''لیکن سائیں! ذرا سوچیں۔ جب احتساب کا وقت آئے گا تو آپ کے دس کروڑ بھی میرے ہی کھاتے میں جائیں گے۔ اور مجھے بیس کروڑ ادا کرنے پڑیں گے۔''

پیر شاہ محمد نے کہا۔ ''کون احتساب کرتا ہے؟ ہمارے ملک میں کبھی کسی قرض نادہندہ کا محاسبہ کیا گیا ہے؟''

پیر شاہ محمد نے جھنجھلا کر اپنے فون کو دیکھا۔ پھر غرّا کر کہا۔ ''یہ کیا بکواس ریکارڈنگ سنا رہے ہو؟''

زمرد خان ریکارڈر آف کرتے ہوئے بولا۔ ''آپ اس بکواس ریکارڈنگ کو چیلنج

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

نہیں کر سکیں گے۔ ابھی اس کیسٹ میں بہت کچھ سننے کو رہ گیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی آپ کے خلاف میرے پاس ایسے تصویری ثبوت ہیں' جو آپ کی سیاسی پوزیشن کو خاک میں ملا سکتے ہیں۔''

وہ ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے بولا۔ ''تم.... تم چاہتے کیا ہو؟''

''اب میں فون پر کیا بولوں؟ یہ راز کی باتیں کان میں کہنے والی ہیں۔ اور کان میں کہی جا رہی ہیں۔ مگر آپ اپنی کمزوریوں کو سمجھنے کے بعد بھی انجان بن رہے ہیں۔''

''میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ مگر یہ بلیک میلنگ تمہیں بہت مہنگی پڑے گی۔''

''کہاوت پرانی ہے لیکن ایسے موقع پر یہی کہا جاتا ہے کہ گھی سیدھی انگلی سے نہ نکلے تو انگلی ٹیڑھی کرنی ہی پڑتی ہے۔''

پیر شاہ محمد بری طرح الجھ گیا تھا۔ دانت پیستے ہوئے بولا۔ ''کیا تم ابھی یہ کیسٹ لے کر میرے پاس آ سکتے ہو؟ میں تم سے روبرو باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''بندہ ابھی حاضر ہو جائے گا سائیں....!''

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ موبائل فون کو ایک طرف پٹخ کر ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا۔ زندگی میں پہلی بار کوئی اسے کمزور بنا رہا تھا۔ ایسی شکست خوردگی اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ وہ وزیرِ خزانہ رہ کر خوب دھاندلیاں کرتا رہا تھا۔ مگر آج تک گرفت میں نہیں آیا تھا۔

زمرد خان نے جیسے اس کے اعصاب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس کا لب و لہجہ بتا رہا تھا کہ پیر شاہ محمد کے خلاف اچھے خاصے ٹھوس ثبوت اس کی مٹھی میں ہیں اور وہ اس سیاست کے بازیگر کو جھکانے کی بھرپور تیاری کر چکا ہے۔

☆☆☆

زمرد خان کا تعلق ایک جاگیردار گھرانے سے تھا۔ وہ کروڑوں کی زمین جائیداد کا مالک تھا مگر پانچ شادیوں کے باوجود اب تک ایک وارث کے لئے ترس رہا تھا۔ وہ کہتا تھا۔ ''ایک بیٹے کے لئے میں پانچ تو کیا پانچ سو شادیاں بھی کر سکتا ہوں۔''

ایک طرف قدرتی محرومی تھی۔ وہ اسے دور کرنے کے لئے ایک بعد دوسری' دوسری کے تیسری' چوتھی' پانچویں اور اب چھٹی شادی کی تیاری کر رہا تھا۔ دوسری طرف

سیاست کے میدان میں پیر شاہ محمد کا عروج اسے حسد کی آگ میں جلاتا رہتا تھا۔ وہ ہمیشہ سے اُس کا تختہ الٹنے کے لئے سیاسی جوڑ توڑ میں لگا رہتا تھا۔ نیشنل اسمبلی تک پہنچنے کے لئے اس کی سیاسی پوزیشن کو کمزور بنانا ضروری تھا اور اب یہ موقع ہاتھ آ رہا تھا۔ وہ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔

ایک گھنٹے بعد وہ پیر شاہ محمد کی کوٹھی میں پہنچا تو وہ اس کا منتظر تھا۔ اسے اپنے سامنے ایک صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''زمرد خان! تم تو آستین کا سانپ نکلے....؟ موقع ملتے ہی ڈس رہے ہو۔''

وہ مسکرا کر بولا۔ ''یاد کریں۔ موقع تو آپ کے ہاتھ بھی آیا تھا اور آپ نے مجھے ڈسنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔''

''ہاں۔ ابھی فون پر تم نے یاد دلایا تھا۔ وہ کیا سنا رہے تھے؟ لاؤ.... اب سناؤ۔''

وہ ایک آڈیو کیسٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''اس کی ماسٹر کاپی میرے پاس محفوظ ہے۔''

پیر شاہ محمد کے سامنے سینٹر ٹیبل پر ایک ریکارڈر رکھا ہوا تھا۔ اس کیسٹ کو آن کیا گیا تو زمرد خان کی آواز ابھرنے لگی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''میں اپنے علاقے میں شوگر مل لگانا چاہتا ہوں۔ اس کے لئے دس کروڑ کا قرضہ چاہئے۔''

پیر شاہ محمد کی آواز سنائی دی۔ ''تم تو جاگیردار ہو۔ کروڑوں کے مالک ہو۔ تمہیں قرضے کی کیا ضرورت ہے؟''

''او سائیں....! بہتی گنگا سے ہاتھ دھونے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ پھر یہ قومی خزانہ کس کے کام آئے گا؟ آج آپ یہاں بیٹھے ہیں' کل کوئی اور مزے اڑائے گا۔''

''میں تمہیں مزے کراؤں گا تو مجھے کیا فائدہ ہوگا؟''

''مجھے دس کروڑ چاہئیں۔ آپ بارہ کروڑ کا چیک پاس کرائیں۔ دس مجھے دیں۔ دو اپنی جیب میں ڈالیں۔''

''تم کیا سمجھتے ہو' کیا میں صرف دو کروڑ کے لئے تمہیں دس کروڑ کا فائدہ پہنچنے دوں گا؟''

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

زمردخان اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ ریوالونگ چیئر پر ادھر سے ادھر گھومتے ہوئے بولا۔ ''دس نہیں..... بیس نکلوائے جائیں گے۔ اگر دس تمہاری جیب میں جائیں گے تو میری جیب میں بھی دس کی ہی گنتی ہونی چاہئے۔''

زمردخان نے پریشان ہوکر کہا۔ ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ اس طرح تو میں بیس کروڑ کا قرضدار کہلاؤں گا۔ جب احتساب ہوگا تو مجھے دس کروڑ روپے کا نقصان اٹھانا پڑے گا۔''

پیرشاہ محمد نے کہا۔ ''پچھلے پچاس برسوں سے قومی خزانہ خالی کیا جارہا ہے۔ قرض صرف لیا جاتا ہے' واپس نہیں کیا جاتا اور پھر احتساب کون کرے گا؟ یہاں سب ہی لوٹنے کھسوٹنے والے آتے ہیں۔ اپنے اپنے دور میں اپنا حصہ سمیٹتے ہیں اور قومی خزانہ خالی کر کے چلے جاتے ہیں۔''

''میں آپ کی بات سے اتفاق کرتا ہوں۔ مگر.....''

''اگر مگر چھوڑو۔ یہ قوم کا یہ خزانہ ہم سیاستدانوں کے لئے ہی ہوتا ہے۔ تم بھی اپنا حصہ وصول کرلو۔''

''مگر بیس کروڑ کا قرضہ بہت زیادہ ہوجائے گا۔ ایسا کریں' پندرہ کا چیک پاس کرالیں۔ پانچ آپ کے اور دس میرے۔''

''تم تو ایسے فکرمند ہورہے ہو' جیسے واقعی تم نے قرضہ واپس کرنا ہے۔ چیک پاس ہوگا تو بیس کروڑ کا..... ورنہ مجھ سے کوئی امید نہ رکھو۔''

زمردخان سوچ میں پڑ گیا۔ وہ اندر ہی اندر اس کی خودغرضی پر جھنجھلا رہا تھا۔ لیکن اس کا مطالبہ ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ پیرشاہ محمد بیٹھے بٹھائے دس کروڑ کا فائدہ حاصل کررہا تھا۔ زمردخان نے سوچا۔ ''سیاستدانوں کے خلاف کوئی سخت قانونی کارروائی نہیں کی جاتی اور نہ ہی قرض کی رقم وصول کی جاتی ہے۔ پیرشاہ محمد بڑی چالبازی سے مجھے دس کروڑ کا نقصان پہنچارہا ہے۔ میں نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں۔ اس سے بعد میں نمٹ لوں گا۔''

زمردخان نے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد میز پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے سائیں...! آپ بیس کروڑ کا چیک پاس کرائیں۔''

پیرشاہ محمد نے تمام معاملات طے کرنے کے بعد کہا۔ ''میں تمہیں بیس کروڑ دلاؤں گا مگر اس کی کیا ضمانت ہے کہ تم دس کروڑ مجھے دوگے؟''

زمردخان نے پہلو بدل کر کہا۔ ''کیا مطلب سائیں...! کیا آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟ جب بات طے ہوگئی تو ہوگئی۔ وہ دس کروڑ آپ کے ہیں۔ میں چیک وصول کرتے ہی وہ رقم آپ کو ادا کردوں گا۔''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ ''رقم کے معاملے میں' میں اپنے باپ پر بھی اعتبار نہیں کرتا۔ لہٰذا پہلے تم مجھے دس کروڑ دوگے پھر میں تمہیں بیس کروڑ کا چیک دوں گا۔''

زمردخان نے جھنجھلا کر اسے دیکھا۔ دونوں کے درمیان تھوڑی دیر تک بحث و تکرار ہوتی رہی پھر زمردخان کو اس کے اس فیصلے کے سامنے بھی سر جھکانا پڑا۔

پیرشاہ محمد نے ریکارڈر آف کردیا۔ طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اچھا... تو تم اس کے ذریعہ میرے تخت کا تختہ کرنے والے ہو؟''

زمردخان بڑے فاتحانہ انداز میں اپنی مونچھوں پر انگلیاں پھیر رہا تھا۔ پیرشاہ محمد نے کہا۔ ''مگر یہ ثبوت تو بہت ہی کمزور ہیں۔ آواز اور لب و لہجے کے نقال ہر جگہ ملتے ہیں۔ عدالت ایسے شواہد کو تسلیم نہیں کرے گی۔''

زمردخان زیرلب مسکرارہا تھا۔ پہلو بدل کر بولا۔ ''میں جانتا ہوں' یہ ثبوت کمزور ہیں۔ مگر آپ جیسے بڑے سیاست دانوں کے ساتھ رہ کر میں نے بھی کچھ سیاسی گر سیکھ لئے ہیں سائیں.....!''

پیرشاہ محمد نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ ایک ویڈیو کیسٹ سینٹر ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولا۔ ''یہ اس وقت کی ویڈیو فلم ہے' جب آپ نے مجھ سے دس کروڑ وصول کئے تھے۔''

پیرشاہ محمد کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اسے یقین نہیں ہورہا تھا کہ ایسی کوئی ویڈیو فلم تیار کی گئی ہوگی۔ وہ فوراً ہی اس کیسٹ کو لے کر ٹی وی کے پاس آیا۔ اسے وی سی آر میں پُش کرکے ٹی وی کو آن کرکے انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی سی دیر میں ہی وہ خود کو زمردخان کے

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

ساتھ اسکرین پر دیکھ رہا تھا۔

وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ زمرد خان کی کوٹھی کے ٹیرس پر بیٹھ کر اس سے لین دین کرے گا تو وہ مکار وہاں خفیہ کیمروں کے ذریعہ ایسا ٹھوس ثبوت حاصل کر لے گا۔ وہ اسکرین پر اپنی گردن پھنستے دیکھ کر پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔

پھر اس نے شکست خوردہ انداز میں ٹی وی کو آف کر دیا۔ زمرد خان نے کہا۔ ”آپ نے تو میری گردن بیس کروڑ کے قرضے میں پھنسا دی تھی۔ مگر یہ ثبوت دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیں گے۔ اب کیا خیال ہے آپ کا....؟“

وہ جھاگ کی طرح ایک صوفہ پر بیٹھ گیا پھر بولا۔ ”یہ ماننا پڑتا ہے' تم ایک کامیاب سیاست دان نہ بن سکے مگر بلیک میلر اچھے ہو۔“

زمرد خان صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر مسکرانے لگا۔ پیر شاہ محمد نے کہا۔ ”لیکن یہ شواہد منظر عام پر آئیں گے تو تمہیں بھی دس کروڑ کا قرضہ اتارنا پڑے گا۔“

”میں یہ نقصان اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن جانتا ہوں' یہ نوبت کبھی نہیں آئے گی۔“

پیر شاہ محمد نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولا۔ ”ابھی آپ کی کچھ اور بڑی کمزوریاں میرے ہاتھوں میں ہیں۔“

پیر شاہ محمد نے پہلو بدل کر پوچھا۔ ”کیسی کمزوریاں....؟“

”انہیں دیکھنے کے بعد آپ عدالت تک تو کیا گھر سے باہر قدم نکالنے کے قابل بھی نہیں رہیں گے۔“

وہ الجھ کر بولا۔ ”پہیلیاں نہ بجھاؤ۔ سیدھی اور صاف بات کرو۔“

”میں سیدھی باتیں ہی کرنے آیا ہوں سائیں....! ویسے آپ کی یادداشت کیسی ہے؟“

”کیا مطلب....؟“

”آپ اپنے ملازموں کو تو یاد رکھتے ہوں گے۔ خاص طور پر ایسے ملازموں کو جو گھر کی عزت پر ہاتھ ڈالتے ہیں؟“

پیر شاہ محمد نے ایکدم سے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بولا۔ ”آپ کو اپنا وہ ڈرائیور یاد ہوگا' جو آپ کی بہن کو عشق و محبت کا کورس پڑھاتا رہتا تھا؟“

وہ غرا کر بولا۔ ”یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟“

”ٹھنڈے رہ کر بات کریں سائیں! میری بکواس کس حد تک درست ہے' یہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔“

پیر شاہ محمد غصے سے تلملا رہا تھا۔ اسے گھورتے ہوئے بولا۔ ”میرے نجی معاملات سے تمہارا کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ اپنی باتیں کرو اور یہاں سے جاؤ۔“

وہ سر کھجاتے ہوئے بولا۔ ”میں آپ کے معاملات میں ہرگز مداخلت نہ کرتا سائیں! مگر کیا کروں؟ اس عشق و محبت کی بھی کچھ تصویریں میرے پاس ہیں۔“

پیر شاہ محمد کے دماغ میں جیسے دھماکا سا ہوا۔ اس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ وہ ایک لفافہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ ”سانچ کو آنچ کیا....؟ لیں آپ بھی دیکھیں....“

وہ لفافہ اس کے ہاتھ سے جھپٹ کر تصویریں نکالنے لگا۔ پہلی تصویر پر نظر پڑتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ بہن اس ڈرائیور کے ساتھ شرمناک حالت میں دکھائی دے رہی تھی۔ باقی تصویریں بھی انتہائی جذباتی لمحات میں اتاری گئی تھیں۔ وہ فوراً ہی انہیں لفافے کے اندر یوں ٹھونسنے لگا' جیسے وہ تصویریں گھر کی عزت کا اشتہار بن رہی ہوں۔ زمرد خان نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔ ”سنا ہے' آپ نے اپنی اس بہن کو ایک بہت ہی معزز گھرانے کی بہو بنایا ہے؟“

پیر شاہ محمد کے پسینے چھوٹنے لگے تھے۔ اس نے پریشان ہو کر اسے دیکھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی ایسی ایسی کمزوریاں زمرد خان کے ہاتھ لگ جائیں گی۔ وہ تو ڈرائیور کو قتل کروانے اور بہن کو عزت آبرو کے ساتھ رخصت کرنے کے بعد یہی سمجھ رہا تھا کہ معاملہ ختم ہو گیا ہے۔ لیکن اس دشمن نے جیسے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ چٹان کہلانے والا بری طرح ٹوٹ رہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار خود کو ایک شکنجے میں بے بس اور مجبور پا رہا تھا۔

وہ فاتحانہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ ”ہاں۔ ایک اور بات.... جس سیاسی

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

غنڈے کے ذریعہ آپ نے اپنے اس ڈرائیور کو قتل کرایا تھا۔ آپ کی بدقسمتی سے وہ آج کل میرا وفادار ہے۔"

وہ جیسے بول نہیں رہا تھا۔ دھماکے کر رہا تھا۔ پیر شاہ محمد پریشان ہو کر اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "کیا سوچ رہے ہیں سائیں....!"

وہ شکست خوردہ انداز میں ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ابھی میں سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں ہوں۔ مجھے تھوڑی مہلت دو۔"

وہ تائید میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "بے شک بے شک۔ خوب سوچیں۔ اچھی طرح سوچیں۔ میں جانتا ہوں' آپ اللہ وسائے کے دماغ سے سوچتے ہیں۔ اس سے ضرور مشورہ لیں گے۔"

وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "تمہارا مطالبہ نیشنل اسمبلی کا ٹکٹ ہے ناں....؟"

"اتنی بڑی بڑی کمزوریوں کے عوض صرف ایک مطالبہ....؟ نہ سائیں! نہ.... یہ تو زیادتی ہوگی۔"

پیر شاہ محمد نے اسے ناگواری سے گھور کر دیکھا۔ وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "مُلّا کی دوڑ مسجد تک...آپ فوراً اللہ وسائے کے در پر جائیں۔ ان سے مشورہ کریں۔ میرے جو بھی مطالبات ہیں' میں انہیں چیئرمین صاحب کے سامنے پیش کروں گا۔ اب چلتا ہوں...."

زمرد خان نے جانے سے پہلے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو پیر شاہ محمد نے ناگواری سے منہ پھیر لیا۔ وہ اپنے ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے سہلاتے ہوئے طنزیہ انداز میں بولا۔ "رسّی جل جاتی ہے مگر بل نہیں جاتے۔ ویسے پھونک مارو تو سارے بل راکھ ہو جاتے ہیں۔"

وہ زیرلب مسکراتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ پیر شاہ محمد نے ہاتھ میں دبے ہوئے لفافے کو گھورا پھر اسے سینٹر ٹیبل پر پٹخ کر دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گیا۔ زمرد خان کے ہاتھ اس کی ایسی کمزوریاں لگی تھیں جو پیر شاہ محمد کی سیاسی حیثیت کو نقصان پہنچانے کے ساتھ ساتھ اسے عوام میں اور اونچی سوسائٹی میں بری طرح بدنام کرنے والی تھیں۔ فی الحال وہ خود

کو اس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنتا دیکھ رہا تھا۔

اس نے فوراً ہی فون کے ذریعہ اللہ وسائے سے رابطہ کیا۔ اسے مختصراً اپنے حالات بتاتے ہوئے کہا۔ "میں بہت اَپ سیٹ ہوں۔ میرا سر چکرا رہا ہے۔ آپ کے پاس آنے کے قابل نہیں ہوں۔ کیا آپ آنے کی زحمت گوارہ کریں گے؟"

اللہ وسائے نے کہا۔ "تم واقعی اَپ سیٹ ہو۔ یہ بھول رہے ہو کہ آج ہم تاریخ طے کرنے کے لئے آنے والے ہیں۔ اب حالات ایسے ہیں تو میں وقت سے پہلے ہی آ رہا ہوں۔"

وہ ایک گھنٹے کے اندر وہاں پہنچ گیا۔ پیر شاہ محمد نے اسے پوری تفصیل سے تمام حالات بتائے کہ زمرد خان کس طرح اسے بلیک میل کر رہا ہے؟ اللہ وسائے نے کہا۔ "تعجب ہے۔ وہ تمہارے خلاف یہ سب کچھ کرتا رہا اور تمہیں خبر تک نہ ہوئی؟"

"اب کیا کہوں؟ بے خبری میں مارا جا رہا ہوں۔ کبھی سوچ نہیں سکتا تھا کہ وہ کم بخت مجھے سیاسی طور پر تباہ کرنے کے لئے ایسے ایسے ہتھیار تیار کر رہا ہوگا۔"

اللہ وسائے تشویش میں مبتلا ہو گیا تھا۔ پریشان ہو کر بولا۔ "اس کی یہ بلیک میلنگ ہماری پوری پارٹی کو نقصان پہنچائے گی۔"

"اس نے خوب سوچ سمجھ کر مجھے مہرہ بنایا ہے۔ یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ میری کمزوریاں دور کرنے کے لئے اس کے جائز ناجائز مطالبات ضرور تسلیم کئے جائیں گے۔"

"اس نے ابھی ایک ہی مطالبہ پیش کیا ہے؟"

وہ ناگواری سے بولا۔ "ہاں۔ وہ نیشنل اسمبلی کے ٹکٹ پر الیکشن لڑنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کچھ مطالبات ہیں' جنہیں وہ آپ کے سامنے پیش کرے گا۔"

پھر وہ غصے سے دانت پیس کر بولا۔ "کمینہ.... بہت ہی نمک حرام ہے۔ جس پارٹی سے فائدے حاصل کرتا رہتا ہے' اسی کو بلیک میل کر رہا ہے۔"

اللہ وسائے اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلنے کے انداز میں ذرا دور گیا پھر قریب آتے ہوئے بولا۔ "تمہارے خلاف ایسے زبردست ثبوت ہیں کہ صرف تمہیں ہی نہیں' ہمیں بھی زبردست نقصان پہنچے گا۔ فی الحال تو یہی سمجھ میں آ رہا ہے کہ اس کے مطالبات تسلیم کرنے ہی ہوں گے۔ اس سے پیچھا چھڑانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا ہے۔"

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

پیر شاہ محمد نے پوچھا۔ ''آپ کیا سمجھتے ہیں؟ وہ کیسے مطالبات پیش کرے گا؟''

اللہ وسائے اس کے سامنے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔ ''سیاستدان اپنے سیاسی مفادات حاصل کرنے کے لئے ہیرا پھیری کرتے ہیں۔ پتہ نہیں' وہ کتنے اور کیسے مطالبات پیش کرنے والا ہے؟ ہمیں ذہنی طور پر تیار رہنا ہوگا۔''

پیر شاہ محمد بے چینی سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ ماروی اور چنچل اس نئی صورتحال سے بے خبر تھے۔ فارم ہاؤس کی تنہائی میں نئے رشتے کی خوشیاں منا رہے تھے۔ شام کے بعد ہنستے کھلکھلاتے گھر پہنچے تو اللہ وسائے اور پیر شاہ محمد کی گمبھیر صورتیں دیکھ کر ان کے ہونٹوں سے مسکراہٹیں غائب ہو گئیں۔ چنچل نے باپ کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا بات ہے ڈیڈ...! آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں؟''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ ''کیا بتاؤں بیٹا....! یہاں تمہاری اور ماروی کی خوشیاں سمیٹنے آیا تھا لیکن زمرد خان نے الجھن میں ڈال دیا ہے۔''

پھر وہ دونوں اسے تفصیل بتانے لگے۔ وہ تمام حالات سننے کے بعد بولا۔ ''واقعی اس نے اپنے مطالبات منوانے کے لئے بڑی زبردست چال چلی ہے۔''

پیر شاہ محمد غصے سے تلملا رہا تھا۔ چنچل کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ''ذرا میری گوٹ نکل جانے دو۔ پھر دیکھنا.... میں اسے ناکوں چنے چبوادوں گا۔''

چنچل نے کہا۔ ''جب اس کے مطالبات تسلیم کرنے ہی ہیں تو اس سے ابھی رابطہ کریں۔ آخر پتہ تو چلے وہ چاہتا کیا ہے؟''

باپ نے کہا۔ ''دو بار فون پر رابطہ کیا جا چکا ہے۔ اس کے سیکرٹری نے بتایا ہے' وہ کسی میٹنگ میں مصروف ہے۔ بعد میں رابطہ کیا جائے۔''

پیر شاہ محمد نے حقارت سے کہا۔ ''اونہہ.... میٹنگ....؟ وہ بدذات ڈھونگ رچا رہا ہے۔ اپنی مصروفیات جتا کر معاملے کو طول دینا چاہتا ہے۔ ہمیں ذہنی اذیتیں پہنچا رہا ہے۔''

پیر شاہ محمد بری طرح جھنجلایا ہوا تھا۔ ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا اور اس دشمن کو گالیاں دے رہا تھا۔

دوسری طرف زمرد خان بڑے اطمینان سے ٹی وی کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔

ریموٹ کنٹرولر ہاتھ میں دبائے چینل بدل بدل کر دیکھ رہا تھا۔ یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ پیر شاہ محمد اس کی کارروائی پر بری طرح تلملا رہا ہوگا۔ اس نے فوراً ہی اللہ وسائے سے رابطہ کیا ہوگا اور اب اللہ وسائے زمرد خان سے رابطے کی کوششیں کرے گا۔ لہٰذا اس نے اپنا موبائل فون سیکرٹری کو دے دیا تھا اور یہ تاکید کی تھی کہ پیر شاہ محمد یا اللہ وسائے کی طرف سے کوئی کال آئے تو کہا جائے کہ وہ ضروری میٹنگ میں مصروف ہے۔ بعد میں رابطہ کیا جائے اور سیکرٹری اس کی ہدایت پر عمل کر رہا تھا۔

موبائل فون کا بزر پھر بولنے لگا۔ سیکرٹری نے نمبر دیکھ کر کہا۔ ''سر...! اللہ وسائے کی کال ہے۔''

اس نے مسکرا کر اپنے فون کو دیکھا۔ پھر اسے لے کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔

''ہیلو سائیں...! ابھی میرے سیکرٹری نے بتایا ہے' آپ اس خادم کو بار بار یاد فرما رہے ہیں۔ کیا کروں سائیں....! اب تو میں بھی پکا سیاستدان بن گیا ہوں۔ اس لئے مصروفیت بڑھ گئی ہے۔''

دوسری طرف سے اللہ وسائے نے کہا۔ ''کچھ زیادہ ہی مصروف رہنے لگے ہو؟''

''ایک طرف سیاست ہے' دوسری طرف جاگیرداری.... دونوں معاملات پر نظر رکھنی پڑتی ہے۔ آپ سنائیں... کیسے یاد کیا؟''

''میں اس وقت پیر شاہ محمد کے گھر میں ہوں۔''

اللہ وسائے ذرا چپ ہوا دوسری طرف بھی خاموشی چھائی رہی۔ وہ ایک ذرا توقف کے بعد بولا۔ ''تم سمجھ گئے ہوگے' میں یہاں کیوں آیا ہوں اور تمہیں کیوں یاد کر رہا ہوں؟''

زمرد خان نے ذرا کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ ''اچھا تو بات آپ تک پہنچ گئی؟''

''یہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟''

''میں مانتا ہوں' پیر شاہ محمد ایک کامیاب لیڈر ہے۔ ہماری پارٹی کے لئے ریڑھ کی ہڈی بنا ہوا ہے۔ آپ اسی کی حمایت میں بولیں گے۔ لیکن ایک بار آپ ہی نے کہا تھا کہ میدان سیاست کا ہو یا جنگ کا.... مخالف کو پچھاڑ کر ہی کامیابی ملتی ہے۔ سو میں وہی کر رہا ہوں۔''

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

"ایسے وار اپوزیشن والوں پر کیے جاتے ہیں۔ تم پیر شاہ کی اہمیت کو سمجھتے ہو۔ پھر بھی اس کے خلاف قدم اٹھا رہے ہو۔ جانتے ہو تمہاری یہ مخالفت ہماری پارٹی کی ساکھ کو بھی نقصان پہنچائے گی؟"

"جانتا ہوں' اور یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ پارٹی کو کوئی نقصان نہیں پہنچنے دیں گے۔"

اللہ وسائے نے پیر شاہ محمد کی طرف دیکھا پھر فون پر پوچھا۔ "تم کیا چاہتے ہو؟"

"پیر شاہ محمد نے آپ کو بتایا ہوگا' میرے چند مطالبات ہیں۔ وہ تسلیم کر لئے جائیں گے تو میں اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کروں گا۔"

"اور وہ مطالبات کیا ہیں؟"

زمرد خان نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ "اب میں فون پر کیا بولوں سائیں....! یہ باتیں تو روبرو بیٹھ کر ہی ہو سکیں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ تم ابھی یہاں چلے آؤ۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔"

"نہ سائیں....! اب میں پیر شاہ کے دروازے پر نہیں آؤں گا۔ آپ اُن کے ساتھ پرل چلے آئیں۔ میں وہیں آپ کا انتظار کروں گا۔"

فون کا رابطہ ختم ہو گیا۔ وہ دونوں وقتِ مقررہ کے مطابق ہوٹل میں پہنچ گئے۔ زمرد خان وہاں ان کا منتظر تھا۔ وہ تینوں آمنے سامنے مختلف صوفوں پر بیٹھ گئے۔ اللہ وسائے نے کہا۔ "ہاں... اب بولو کیا چاہتے ہو؟"

اس نے ایک نظر پیر شاہ محمد پر ڈالی۔ پھر اللہ وسائے سے کہا۔ "میرا پہلا مطالبہ تو آپ تک پہنچ گیا ہوگا۔ مجھے ہمیشہ صوبائی اسمبلی تک محدود رکھا جاتا ہے۔ اب میں یہ زیادتی برداشت نہیں کروں گا سائیں...! میں بھی اپنی پارٹی کو فائدے پہنچاتا رہتا ہوں۔ مجھے بھی آگے بڑھنے کا موقع دیا جائے۔ ٹھیک ایک برس بعد الیکشن ہونے والے ہیں۔ اس بار میں نیشنل اسمبلی کے ٹکٹ پر الیکشن لڑنا چاہتا ہوں۔"

ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ویٹر ان کے درمیان چائے اور اسنیکس رکھ کر چلا گیا تھا۔ زمرد خان چائے کی چسکیاں لے رہا تھا اور بول رہا تھا۔ اللہ وسائے نے کہا۔ "ہماری پارٹی کے جتنے اہم اور کامیاب لیڈر ہیں' انہیں میں نیشنل اسمبلی کے ٹکٹ دینے

کے وعدے کر چکا ہوں۔ کوٹہ پورا ہو چکا ہے۔ تمہیں ٹکٹ کہاں سے دوں؟"

"آپ اپنے کسی بھی ایک لیڈر کو بٹھا کر اس کا ٹکٹ مجھے دے سکتے ہیں۔"

"سب ہی اپنے اپنے علاقے کے مانے ہوئے باوقار لیڈر ہیں۔ تم چاہتے ہو میں ان میں سے کسی کو ناراض کروں؟"

"آپ پہلی بار اپنے بیٹے نجل کو نیشنل اسمبلی کا ٹکٹ دینے والے ہیں۔ اسے نہ دیں۔ مجھے دیں۔ بیٹا آپ سے ناراض نہیں ہوگا۔"

اللہ وسائے اور پیر محمد شاہ ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ زمرد خان نے کہا۔ "سوچ لیں۔ جب تک آپ کی سیاسی پارٹی مجھے اپنے گلے کا ہار بنائے رکھے گی' تب تک میں شاہ صاحب کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کروں گا۔"

وہ ایک ذرا توقف کے بعد بولا۔ "میرا مطالبہ بالکل جائز ہے۔ آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔"

وہ بولا۔ "تم نے ہمیں اعتراض کے قابل نہیں چھوڑا ہے۔ آگے بولو...."

اس نے مسکرا کر پیر شاہ محمد کو دیکھا۔ پھر کہا۔ "میری زندگی کے دو مقاصد ہیں۔ ایک.... دولت کمانا۔ دوسرا اپنا وارث پیدا کرنا۔ لیکن ایک نہ دو' پانچ بیویوں نے مجھے بری طرح مایوس کیا ہے۔ دو بانجھ نکلیں اور تین بیٹیاں پیدا کرتی رہیں تو میں نے انہیں طلاق دے دی۔ اب میں چھٹی شادی کرنا چاہتا ہوں سائیں....!"

پیر شاہ محمد اور اللہ وسائے بیزاری سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ وہ اصل موضوع سے ہٹ کر اپنی لائف ہسٹری سنانے بیٹھ گیا تھا۔ پیر شاہ نے الجھ کر کہا۔ "تم اولاد کے لئے جتنی بھی شادیاں کرو۔ اس سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ تم اپنے مطالبات بیان کرو۔"

زمرد خان نے اسے مسکرا کر دیکھا۔ پھر چائے کی ایک چسکی لینے کے بعد کہا۔ "میں اپنے مطالبات ہی بیان کر رہا ہوں سائیں.... میرا دوسرا مطالبہ یہی ہے کہ میری یہ چھٹی شادی آپ دونوں کرائیں گے اور وہ بھی میری پسند کی لڑکی سے...."

پیر شاہ نے سوچتی ہوئی نظروں سے اللہ وسائے کو دیکھا۔ اس نے زمرد خان سے کہا۔ "کیا یہ ضروری ہے کہ تمہاری شادی ہم ہی کرائیں؟"

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

وہ بولا۔ ”ہاں۔ آپ دونوں ہی کی رضامندی سے میری پسند کی لڑکی مجھے مل سکے گی۔“

پیر شاہ نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔ ”ٹھیک ہے۔ اپنی پسند بتاؤ۔“

اس نے ایک بسکٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”میری پسند کا نام......ماروی ہے۔“

اللہ وسائے نے ایکدم سے چونک کر اسے دیکھا۔ پیر شاہ محمد نے غصے سے دھاڑتے ہوئے کہا۔ ”زمرد خان! اپنی حد میں رہو۔ یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟“

اس نے بے اختیار گرجتے ہوئے ایسا کہا۔ دور تک بیٹھے ہوئے لوگ ان کی طرف دیکھنے لگے۔ زمرد خان نے کہا۔ ”آہستہ سائیں! آہستہ...آپ تو گفتگو کے ادب آداب بھول رہے ہیں۔“

اس نے دونوں کی توقع کے خلاف ماروی کا نام لیا تھا۔ پیر شاہ محمد کا جی چاہ رہا تھا کہ اُس کا منہ توڑ دے تاکہ آئندہ وہ کبھی اس کی بیٹی کا نام اپنی زبان پر نہ لا سکے۔

اللہ وسائے نے پیر شاہ محمد کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ”آرام سے باتیں کرو۔ جو بات ناقابلِ برداشت ہو' اُسے بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔“

وہ تلملا کر بولا۔ ”آپ دیکھ رہے ہیں' یہ سیاست میں میری بیٹی کو گھسیٹ رہا ہے۔“

زمرد خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”یہ سیاسی شادی مجھ سے نہیں ہوگی تو ہمارے چیئرمین صاحب کے صاحبزادے سے ہو جائے گی۔ سیاست میں ماں' بہن بیٹی کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ صرف اونچی کرسی دیکھی جاتی ہے۔“

پیر شاہ محمد کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس نے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا۔ کیونکہ وہ پھر گرجتے ہوئے بولنا چاہتا تھا۔ اللہ وسائے نے کہا۔ ”دیکھو زمرد خان! تمہارا یہ مطالبہ بالکل ہی غلط ہے۔ جبکہ یہ جانتے ہو' ماروی میرے بیٹے سے منسوب ہونے والی ہے۔“

وہ بولا۔ ”مجھے آپ کے ذاتی معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ویسے بھی وہ منسوب ہونے والی ہے...ہوئی تو نہیں ہے....اور اگر ہو بھی جاتی تو میں اپنا مطالبہ بدلنے والا نہیں ہوں۔“

پیر شاہ محمد بدستور اسے گھور رہا تھا۔ غصے سے بولا۔ ”میں اس مطالبے کو نہیں مانتا...“

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

زمرد خان نے کہا۔ ”نو پرابلم۔ آج نہیں تو کل مان جائیں گے۔ آگے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔“

پھر وہ اس کی طرف سے منہ پھیرتے ہوئے بولا۔ ”کیوں چیئرمین صاحب...! آگے اور کوئی راستہ ہے؟“

ان دونوں نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ یہ بات سمجھ میں آرہی تھی کہ پیر شاہ محمد بری طرح اس کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے۔ غصہ دکھانے سے بات بگڑتی چلی جائے گی۔ اللہ وسائے نے کہا۔ ”تم کسی بھی حسین عورت پر ہاتھ رکھ دو۔ ہم وعدہ کرتے ہیں' اُسے تمہاری منکوحہ بنائیں گے۔ لیکن ماروی کو بھول جاؤ۔“

وہ بولا۔ ”ہم اور آپ کسی بھی دکان میں جاتے ہیں تو اپنی ہی پسند کی چیز خریدتے ہیں۔ ابھی جس دکان میں بیٹھا ہوں' وہاں میری پہلی اور آخری پسند بتا چکا ہوں۔“

پیر شاہ محمد نے ناگواری سے کہا۔ ”شرم کرو۔ وہ تمہاری بیٹیوں کے برابر ہے۔“

وہ بڑی ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے بولا۔ ”یہ گھسا پٹا طعنہ ہے سائیں...! آپ تو جانتے ہیں' مرد کبھی بوڑھا نہیں ہوتا۔ ویسے بھی شادی سے پہلے سب ہی عورتیں بہنوں اور بیٹیوں جیسی ہوتی ہیں۔“

”کوئی ایسی گنجائش نکالو کہ تمہارا یہ مطالبہ ہمارے حلق سے اتر سکے۔“

”ہاں ایسی گنجائش ہے۔ میں ماروی کو ساری زندگی بیوی بنا کر نہیں رکھوں گا۔ جس دن وہ ایک بیٹا پیدا کر کے مجھے دے گی' میں اسے طلاق دے کر آپ کے حوالے کر دوں گا۔“

”اور اگر ماروی نے بیٹی پیدا کی تو....؟“

”میں بیٹی پیدا کرنے والیوں کو تو برداشت ہی نہیں کرتا۔ انہیں میٹرنٹی ہوم میں ہی طلاق دے کر چلا آتا ہوں۔ دونوں صورتوں میں ماروی آپ کے پاس واپس آئے گی۔“

پیر شاہ محمد اپنی بے بسی پر تلملا رہا تھا۔ اللہ وسائے نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر زمرد خان سے کہا۔ ”میں جانتا ہوں' تمہارا مطالبہ نہیں بدلے گا۔ پھر بھی ہمیں سوچنے' سمجھنے اور فیصلہ کرنے کی مہلت دو۔“

وہ مسکرا کر بولا۔ ''کیوں نہیں سائیں..! خوب سوچیں، سمجھیں۔ میں بڑے آرام سے اور بڑے یقین سے میدان جیتنے کا انتظار کرتا رہوں گا۔''

پھر وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ ''اب مجھے اجازت دیں سائیں...! جب بھی یاد کریں گے بندہ پوری تیاری کے ساتھ بلکہ پوری بارات کے ساتھ حاضر ہو جائے گا۔''

اس کے جانے کے بعد پیر شاہ محمد نے جھنجھلا کر کہا۔ ''آپ اسے سمجھائیں سائیں.....! میں اپنی بیٹی کو اس کے پلے نہیں باندھوں گا۔ وہ آپ کی امانت ہے۔''

وہ رازدارانہ لہجے میں بولا۔ ''اس کے ہاتھ جو چیزیں لگی ہیں، وہ منظر عام پر آئیں گی تو تم اپنی بہن کے حوالے سے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے۔ اور قرض دینے دلانے کے حوالے سے قانون کے شکنجے میں آجاؤ گے۔ تمہارا سیاسی کیریئر تباہ ہو کر رہ جائے گا۔ بدنامی الگ ہوگی۔ وہ بہن جو معزز گھرانے کی بہو کہلا رہی ہے، وہ بھی گھر کی رہے گی نہ گھاٹ کی.....تم بری طرح پھنس چکے ہو پیر شاہ محمد.....!''

اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ وہ سیاسی پارٹی کا اہم مہرہ تھا۔ اگر اس کا احتساب شروع ہوتا، کڑی سے کڑی ملائی جاتی تو قومی خزانے سے قرض لینے والے پارٹی کے اور بھی کئی اراکین گرفت میں آجاتے۔ زمرد خان کے تیور بتا رہے تھے، وہ اپنے مطالبے سے باز آنے والا نہیں ہے۔

اللہ وسائے نے اسے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ ''اپنے حالات پر غور کرو۔ یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ زمرد خان نے تمہیں توڑ ڈالنے کی پوری تیاری کر رکھی ہے۔ میں دل پر پتھر رکھ کر اس کا ایک مطالبہ میں تسلیم کروں گا۔ نیشنل اسمبلی کا جو ٹکٹ بیٹے کو دینے والا تھا، مجبوراً اسے دوں گا۔ دوسرا مطالبہ تمہیں ہر حال میں پورا کرنا ہی ہوگا۔''

اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اللہ وسائے نے کہا۔ ''زمرد خان اپنے مطالبات منوا رہا ہے۔ ہم بھی اس کے سامنے ایک مطالبہ پیش کریں گے۔''

اس نے سر اٹھا کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ بولا۔ ''ماروی کو اس شرط پر اس کی منکوحہ بنایا جائے گا کہ پہلی اولاد بیٹی ہو یا بیٹا وہ بچہ لے کر اسے طلاق دے دے گا۔''

''ایسا تو وہ کہہ رہا ہے۔''

''کہنے اور کرنے میں بڑا فرق ہے۔ وہ بعد میں مکر سکتا ہے۔ لہٰذا ہم پکے کاغذ پر اس سے لکھوائیں گے۔ اپنی بیٹی کو اس کے چنگل سے نکالنے کے لئے یہ ضروری ہے۔''

پھر وہ گہرے صدمے سے بولا۔ ''میری بیٹی تو کہیں کی نہیں رہے گی۔ اس سودے بازی والی شادی کے بعد کون اسے پوچھے گا؟''

''کیسی باتیں کرتے ہو؟ کیا یہ سوچ رہے ہو کہ میں بعد میں اسے اپنی بہو نہیں بناؤں گا؟ تمہاری بیٹی کو دل و جان سے چاہتا ہوں۔ اسے ہر حال میں بہو بنا کر لے جاؤں گا۔''

وہ بڑی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ ہر پہلو پر غور کرتے رہے۔ پیر شاہ محمد کا سیاسی کیریئر داؤ پر لگا ہوا تھا۔ وہ شادی تمام مسائل کا حل نظر آرہی تھی اور اس سے انکار سراسر نقصان اٹھانے والی بات تھی۔ اللہ وسائے کو بھی اپنے سیاسی مفادات عزیز تھے۔ دونوں کو آخر راضی ہونا تھا۔ لہٰذا وہ اس سیاسی شادی کے لئے راضی ہو گئے۔

ازل سے یہ آزمودہ حربہ رہا ہے۔ ایک کی کمزوریوں سے کھیل کر ہی دوسرا اقتدار حاصل کرتا ہے اور زمرد خان اسی حربے پر عمل کر کے نیشنل اسمبلی تک پہنچنے کا راستہ ہموار کر چکا تھا۔ دوسری طرف ماروی اس کے دل کو بھا گئی تھی۔ اسے اپنانے کے لئے اور پیر شاہ محمد کو اپنے فیصلے کے آگے جھکانے کے لئے اس نے بڑے پاپڑ بیلے تھے۔ اب اس کی محنت رنگ لا رہی تھی۔

☆☆☆

یہی ہوتا ہے۔ جائز اور ناجائز سیاسی حربے آزمانے والے اپنی بہنوں اور بیٹیوں کی ہتھیلیوں پر اپنے مفادات کے مطابق مہندی رچاتے ہیں۔ پیر شاہ محمد کے سامنے بازی پلٹ گئی تھی۔ اب سیاسی مفادات کا رخ زمرد خان کی طرف مڑ گیا تھا۔

ماروی پگل کو اپنی زندگی کا مقصد اور مرکز بنائے ہوئے تھی۔ اس کی جاگتی اور سوتی آنکھوں میں اسی ایک دلبر کے خواب تھے۔ باپ کا فیصلہ سن کر جیسے اچھل پڑی۔ بے یقینی سے بولی۔ ''یہ.....یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بابا سائیں.....! میں اور زمرد خان سے شادی.....؟''

وہ بولا۔ ''ساری صورتحال تمہارے سامنے ہے بیٹی...! حالات نے مجھے بری طرح الجھا دیا ہے۔''

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

وہ دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ "مگر بابا سائیں! میں ..... میں آپ کا یہ فیصلہ قبول نہیں کر سکتی۔"

"یہ نہ تو میرا فیصلہ ہے‘ نہ میں اپنی زبان سے بول رہا ہوں۔ زمرد خان نے اپنی زبان میرے منہ میں رکھ دی ہے۔ اگر اسے منظور نہ کیا گیا تو وہ خبیث اپنی خباثت پر اتر آئے گا۔ میری عزت‘ مان مرتبہ اور سیاسی کیریئر سب کچھ خاک میں مل جائے گا اور تمہارا بابا سائیں ذلتیں اٹھاتے ہوئے اپنی موت سے پہلے ہی مر جائے گا۔"

اس نے پریشان ہو کر باپ کو دیکھا۔ بیگم شاہ نے آگے بڑھ کر اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "ہم جانتے ہیں‘ تمہارے لئے اس فیصلے کو قبول کرنا بہت مشکل ہوگا مگر کیا کیا جائے؟ ہمارا تو سب کچھ داؤ پر لگ چکا ہے۔"

وہ بولی۔ "میں بابا سائیں کی پریشانیوں کو سمجھ رہی ہوں مگر....."

وہ باپ کا بازو تھام کر بولی۔ "بابا سائیں! کیا اور کوئی راستہ نہیں نکالا جا سکتا؟"

وہ بے بسی سے اس کے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے بولا۔ "میں تو تمہارے لئے جان بھی دے سکتا ہوں۔ مگر میری موت کے بعد بھی وہ ہمارے خاندان کو بدنام کرنے سے باز نہیں آئے گا۔ تم لوگوں کو عزت سے جینے نہیں دے گا۔ اگر اس سے پیچھا چھڑانے کا کوئی دوسرا راستہ ہوتا تو میں اپنی بیٹی کی زندگی کو کبھی داؤ پر نہ لگاتا۔"

بیگم شاہ نے کہا۔ "تمہارے انکل اللہ وسائے نے وعدہ کیا ہے‘ پہلی اولاد کے بعد وہ تمہیں زمرد خان سے نجات دلوا دیں گے۔"

اس نے پلٹ کر ماں کو دیکھا۔ باپ نے کہا۔ "اول تو میں ایسا موقع آنے نہیں دوں گا۔ وہ نہیں جانتا کہ تمہیں دلہن بنا کر اپنے پیر پر کلہاڑی مارنے والا ہے۔"

ماروی نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ پھر کہا۔ "میں سمجھی نہیں۔ کیا وہ مجھے دلہن بنا کر نقصان اٹھانے والا ہے؟"

"ہاں۔ تم اس کے قریب رہ کر میرے لئے بہت مددگار ثابت ہو سکتی ہو۔ اس کی بہت سی کمزوریاں معلوم کر سکتی ہو اور اُن کمزوریوں کو اپنے باپ تک پہنچا سکتی ہو۔"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے باپ کو دیکھ رہی تھی۔ پھر بولی۔ "میں آپ کی پلاننگ

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

سمجھ رہی ہوں۔ مگر طلاق کے بعد کیا ہوگا؟ میرا مطلب ہے کیا چَل.....؟"

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ باپ نے جلدی سے کہا۔ "تم پیر شاہ محمد کی بیٹی ہو۔ اللہ وسائے تمہیں بہو بنانے کے لئے سر کے بل یہاں آئے گا۔"

ماروی سوچ میں پڑ گئی تھی۔ زمرد خان اس کے بابا سائیں کو تباہ و برباد کرنے کی سازشیں کر رہا تھا۔ باپ کو بچانے کے لئے اس دشمن کو قبول کرنا تھا۔ ایک نہیں‘ تین بار کہنا تھا‘ قبول ہے.....

حالات نے اچانک ہی ایسا پلٹا کھایا تھا کہ اس کا دماغ سُن ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ تمام معاملات کو سمجھنے کے باوجود الجھی ہوئی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "بابا سائیں! میں اس کی ایسی کون کون سی کمزوریاں معلوم کر سکتی ہوں‘ جس سے ہمیں فائدہ پہنچ سکتا ہے؟"

"تمہیں وہاں جا کر جاگتے ہوئے ذہن سے اس پر نظر رکھنی ہوگی۔ خاص طور پر یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ اپنے اہم اور خفیہ دستاویزات کہاں رکھتا ہے؟ اگر تم نے یہ معلوم کر لیا اور ان تمام دستاویزات کو وہاں سے نکال لیا تو سمجھو‘ سانپ کے منہ سے زہر نکال کر یہاں آؤ گی۔"

وہ اثبات میں سر ہلا کر بولی۔ "ہاں بابا سائیں! جہاں وہ اپنی تمام خفیہ دستاویزات رکھتا ہوگا‘ وہاں ہماری کمزوریاں بھی رکھی ہوں گی۔ میں انہیں حاصل کر لوں گی تو آپ اچھی طرح اس کی گردن دبوچ سکیں گے۔"

دوسری طرف چَل بھی الجھا ہوا تھا۔ باپ کے ذریعہ تمام صورتحال جاننے کے بعد غصے سے کہہ رہا تھا۔ "یہ زمرد خان کچھ زیادہ ہی اونچا اڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ایک تو ماروی کو اس گھر کی بہو نہیں بننے دے گا۔ دوسرا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ میرا ٹکٹ چھین کر الیکشن لڑے گا۔"

باپ نے کہا۔ "وہ پیر شاہ محمد کے پروں پر پرواز کر رہا ہے۔ اونچا تو اڑے گا ہی....."

"آپ اس سے یہ سمجھوتہ کریں کہ وہ بلا سے ماروی کو لے جائے لیکن نیشنل اسمبلی کا ٹکٹ مجھ سے نہ چھینے....."

اللہ وسائے نے کہا۔ "بیٹے۔! صبر کرو۔ یہ آزمائش کا وقت ہے۔ تم نقصانات اُٹھا کر سیاست کی بھٹی میں پک رہے ہو۔ کندن بن رہے ہو۔ وہ کمبخت صرف تمہیں اور پیر شاہ

محمد کو ہی نہیں' پوری پارٹی کو نقصان پہنچائے گا اور میں پارٹی کی نیک نامی کو کبھی داؤ پر نہیں لگاؤں گا۔"

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اللہ وسائے نے کہا۔ "زمرد خان کو صرف ایک وارث چاہئے۔ اس سے یہ معاملہ طے ہونے والا ہے کہ وہ پہلی اولاد کے بعد ماروی کو طلاق دے دے گا۔ اس طرح نہ پیر شاہ کو کوئی نقصان پہنچے گا' نہ ہماری پارٹی کو بعد میں ماروی بھی تمہاری دلہن بن جائے گی۔"

چنل نے اپنے باپ سے سیاست سیکھی تھی۔ سیاسی معاملات میں کبھی اپنے اس سے بحث نہیں کرتا تھا۔ اس نے جذبات کو بالائے طاق رکھ دیا۔ اللہ وسائے نے اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا۔ "صرف اپنے سیاسی معاملات پر اور مفادات پر نظر رکھو۔ پیر شاہ محمد کو دیکھو۔ وہ اپنا سیاسی کیریئر بچانے کے لئے بیٹی کو مہرہ بنا رہا ہے۔ نیک نامی کے ساتھ اپنا اقتدار' اپنی برتری قائم رکھنے کے لئے لہو کے رشتوں کو بھی کیش کرانا پڑتا ہے۔"

چنل نے تائید میں سر ہلایا۔ ایسے ہی وقت اس کے موبائل فون کا بزر بولنے لگا۔ وہ نمبر پڑھتے ہوئے بولا۔ "ماروی کال کر رہی ہے۔"

اللہ وسائے نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "وہ اس نئی صورتحال سے پریشان ہو گی۔ تم سے صلح مشورے کرے گی۔ اسے یقین دلاؤ کہ زمرد خان جیسے ہی اسے طلاق دے گا' تم اسے اپنی دلہن بنا لو گے۔"

وہ بولتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ چنل نے فون آن کر کے کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے ماروی نے کہا۔ "بڑی دیر بعد فون ریسیو کیا ہے۔ کہاں تھے؟"

"ڈیڈ کے ساتھ تھا۔ ابھی تمہارے ہی سلسلے میں باتیں ہو رہی تھیں۔ جی تو چاہ رہا ہے' زمرد خان کا گلا دبا دوں۔ اسے گولی مار دوں۔ وہ زبان کھینچ لوں' جس سے وہ تمہارا مطالبہ کر رہا ہے۔"

وہ افسردہ لہجے میں بولی۔ "حالات ایسے ہیں کہ ذہن بری طرح الجھ رہا ہے۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ کیا بابا سائیں کے لئے قربان ہو جاؤں؟ فی الوقت ایک ہی بات جانتی ہوں' میری زندگی کا جو بھی فیصلہ ہو گا' وہ تم کرو گے۔ بولو.... مجھے راستہ

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

دکھاؤ۔ کدھر جانا ہے؟ کیا کرنا ہے؟"

کرنا تو وہی تھا' جو سیاستداں بزرگوں نے طے کر لیا تھا۔ لیکن محبت کی قسمیں کھانے والا چنل کھل کر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ کسی اور کی جھولی میں چلی جاؤ۔ ایسا کہنے سے محبت کا دعویٰ کرنے والے کی سبکی ہوتی۔ اب تک کئے ہوئے تمام وعدے اور قسمیں بے معنی ہو جاتے۔ دوسری طرف سے ماروی نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟ چپ کیوں ہو؟"

وہ باتیں بنانے لگا۔ "کیا بتاؤں؟ تم سے کیا کہوں؟ تمہاری طرح میں بھی الجھا ہوا ہوں۔ چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی ہے۔ کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا ہے۔ میں اپنی جان دے کر بھی تمہیں کسی کی جھولی میں جانے سے روک سکتا ہوں۔ لیکن جان دینے سے بھی بات نہیں بنے گی۔ کیونکہ زمرد خان میری نہیں' تمہارے بابا سائیں کی کمزوریوں سے کھیل رہا ہے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "یاد ہے' تمہاری سہیلی نے اپنے محبوب کے نام کی مہندی لگائی تھی اور ایک ظالم اس مہندی کو مٹانے آ گیا تھا۔ تم نے کہا تھا' میں تمہاری سہیلی اور اس کے محبوب کو اس ظالم سے بچاؤں۔ مگر میرے پیچھے گن مین کو دیکھ کر تم چپ ہو گئی تھیں۔ اپنی سہیلی کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔"

"ہاں۔ مجھے یہ سب کچھ یاد ہے۔ تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ اُس سہیلی کی جگہ تم ہوتیں اور کوئی میرے نام کی مہندی مٹانے آتا تو میں کسی گن مین کی پرواہ نہ کرتا۔ تمہارے لئے اپنی جان پر کھیل جاتا۔"

وہ پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "آج وہی پچویشن ہے۔ تمہارے ہاتھوں پر میرے نام کی مہندی لگنے والی تھی اور زمرد خان اسے مٹانے آ گیا ہے۔ آج مجھے گن پوائنٹ پر رکھا جاتا' تب بھی میں اس دشمن کو مار ڈالتا یا مر جاتا.... مگر میری جان! آج کوئی گن مین میرے پیچھے نہیں ہے۔ تمہارے بابا سائیں کے پیچھے ہے۔ ان کی زندگی' عزت اور وقار کو قائم رکھنے کے لئے مجھے اس روز کی طرح آج پھر حالات سے سمجھوتہ کرنا ہو گا۔ دل پر پتھر رکھ کر کہنا ہو گا' اپنے بابا سائیں کو بچا لو۔ ایک بیٹی کا فرض ادا کرو۔"

ماروی فون پر اس کی باتیں سن رہی تھی اور رو رہی تھی۔ اس کے بزرگوں کی طرح

اس کا محبوب بھی مجبور ہو کر اسے قربان ہونے کو کہہ رہا تھا۔ وہ اپنے لئے نہیں' بلکہ اپنی ماروی کے بابا سائیں کے لئے ایسا کہہ رہا تھا۔

وہ کہہ رہا تھا۔ ''ماروی! اگر حالات اوندھے منہ گرادیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ تم ایک گری پڑی چیز بن کر رہ گئی ہو..... ہرگز نہیں۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔ جیسے ہی تم طلاق لے کر آؤ گی۔ میں بارات لے کر تمہارے دروازے پر پہنچ جاؤں گا۔''

وہ بولی۔ ''آہ..! میں نے جاگتی آنکھوں سے کئی بار تمہاری بارات کو آتے دیکھا ہے۔ کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ بارات کو روکنے والا کوئی آجائے گا۔ میں نے سوچ لیا ہے۔ قربانی دوں گی۔ شادی کروں گی۔ لیکن مہندی نہیں لگاؤں گی۔ میرے ہاتھوں پر حنا کی خوشبو صرف تمہارے نام سے ہوگی۔''

''ماروی...! میری جان..! میں تمہاری واپسی کا منتظر رہوں گا۔ ہر روز ہر پل تمہاری آہٹ سنتا رہوں گا۔ ہوا کا جھونکا بھی آئے گا تو یوں لگے گا' تم آگئی ہو۔ تمہاری واپسی تک نہ جانے کیسی دیوانگی سے زندگی گزارتا رہوں گا؟''

وہ اس کی باتوں سے سحرزدہ ہو رہی تھی۔ اسے محبوب کا اعتماد مل رہا تھا۔ یہ اطمینان ہو رہا تھا کہ پرائی ہونے کے بعد بھی وہ دیوانہ اس کی راہ میں آنکھیں بچھائے رہے گا۔ وہ بڑے جذبے سے بولی۔ ''میں نے یہ عزم کیا ہے کہ زمرد خان کے ایک وارث کی خواہش کبھی پوری نہیں کروں گی۔ اس سے پہلے ہی بابا سائیں کے خلاف تمام ثبوت وہاں سے چرا کر لے آؤں گی۔''

وہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔ ''میں جانتا ہوں' میری ماروی اسے مجبوراً منہ لگائے گی۔ مگر اس کے منہ پر تھوک کر آئے گی۔ میں تم پر فخر کرتا ہوں۔''

باپ نے بیٹی کو مہرہ بنانے کے لئے اسے بڑے پیار سے قربان ہونے پر راضی کیا تھا۔ اور اس کا محبوب بھی ایسے ہی پیار کے سبز باغ دکھا رہا تھا۔ اپنے چاہنے والوں کی پیار بھری ٹھوکریں اسے زمرد خان کی طرف لئے جارہی تھیں۔ اور اس باؤلی کا دعویٰ تھا کہ وہ بہت جلد حالات کا رخ پھیر کر اپنے بچل کے پاس چلی آئے گی۔

☆☆☆

ارمانوں کی سیج سجتی ہے تو آنکھوں میں کنوارے خواب چٹکنے لگتے ہیں۔ مگر اس کے دل میں وہ نیا رشتہ چبھ رہا تھا اور اس کی چبھن روح کو گھائل کر رہی تھی۔ اس نے بھیگی ہوئی آنکھوں سے اپنی ہتھیلیوں کو دیکھا۔ ان ہاتھوں میں مہندی رچائی نہیں گئی تھی۔ اس نے زمرد خان کی دلہن بننے سے پہلے اپنی ایک ضد منوائی تھی کہ وہ سر سے پاؤں تک دلہن ضرور بنے گی۔ لیکن ہاتھوں اور پیروں میں مہندی نہیں لگائے گی۔

بناؤ سنگار کے لحاظ سے وہ مکمل دلہن نہیں تھی۔ وہاں نہ حیا کی لالی تھی' نہ حنا کی خوشبو ..... وہ اس لئے بھی مکمل دلہن نہیں تھی کہ اس نے دل سے نکاح قبول نہیں کیا تھا۔ وہ شادی نہیں تھی' ایک معاہدہ تھا۔ ایک سیاسی کھیل تماشہ تھا۔

اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ دماغ میں مختلف سوچیں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ وہ جلد از جلد باپ کے خلاف تمام ثبوت اپنی مٹھی میں لے کر زمرد خان کے چنگل سے نکل جانا چاہتی تھی۔ مگر یہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ وہ ثبوت آسانی سے ہاتھ نہیں لگیں گے۔ زمرد خان بھی محتاط رہے گا۔

وہ پھولوں کی سیج پر کسی کی دلہن بن کر آئی تھی۔ لیکن اپنے بچل کے تصور میں کھوئی ہوئی تھی۔ اس کے پاس واپس جانے کے لئے اور باپ کی کمزوریاں دور کرنے کے لئے آئندہ نہ جانے کیسے کیسے پاپڑ بیلنے والی تھی؟ فی الحال وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

دروازے کے کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنائی دی تو وہ خیالات سے چونک گئی۔ زمرد خان بڑے فاتحانہ انداز میں مونچھوں پر تاؤ دیتا ہوا اس کے قریب بیڈ کے سرے پر آکر بیٹھ گیا۔ ماروی نے سر اٹھا کر ایک نظر اسے دیکھا پھر منہ پھیر لیا۔ وہ مسکرا کر بولا۔ ''دلہن اپنے دولہا کو دیکھ کر لاج شرم سے سر جھکاتی ہے۔ مگر تم نے تو منہ ہی پھیر لیا۔''

وہ ایک ذرا ناگواری سے بولی۔ ''کیونکہ میں یہاں روایتی دلہن بن کر نہیں آئی ہوں۔ ہمارے درمیان صرف ایک معاہدہ ہوا ہے۔''

وہ ٹھوڑی سے اس کا چہرہ تھام کر اپنی طرف کرتے ہوئے بولا۔ ''تم آئی نہیں ہو میری جان...! میں تمہیں لایا ہوں۔ یاد ہے' اپنی سہیلی کی وہ مہندی والی رات' جب بجلی چلی گئی تھی؟ تاریکی میں کوئی ایک دوسرے کو پہچان نہیں پارہا تھا۔ ایسے وقت میں نے تمہارے شانے

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔ تمہارا دیوانہ ہوں' اور یہ دیوانہ بہت جلد اپنی دیوانگی دکھانے والا ہے....''

ماروی نے ایکدم سے چونک کر اسے دیکھا۔ سہیلی کی شادی میں یہ بات کسی نے اندھیرے میں اس سے کہی تھی۔ کیا وہ زمرد خان تھا؟ وہ اس کے ذہن میں ابھرنے والے سوال کو بھانپتے ہوئے بولا۔ ''ہاں۔ میں وہی دیوانہ ہوں' جس نے اندھیرے میں اپنے دل کی بات کہی تھی۔ میں تمہارے باپ کی کمزوریوں سے کھیل کر صرف اپنے سیاسی مفادات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ سیاست کے اس کھیل میں تم سود کے طور پر ہاتھ آ رہی ہو۔''

ماروی اس کی باتیں سن رہی تھی اور دل ہی دل میں کڑھ رہی تھی۔ وہ اٹھ کر ٹہلنے کے انداز میں ذرا دور گیا پھر ایک جگہ رک کر بولا۔ ''تم تو جانتی ہو' مجھے اپنا وارث چاہئے۔ جب تک تم ایک بیٹے کو جنم نہیں دو گی' تب تک اس حویلی سے باہر قدم نہیں نکال سکو گی۔''

اس نے پریشان ہو کر کہا۔ ''کیا مطلب؟ کیا آپ مجھے یہاں قیدی بنا کر رکھیں گے؟''

''میں اپنے وارث میں کسی قسم کی ملاوٹ نہیں چاہوں گا۔ یہ اچھی طرح جانتا ہوں' چیئرمین کا بیٹا تمہارا عاشق ہے۔''

وہ اندر ہی اندر غصے سے کھول رہی تھی۔ تیور بدل کر بولی۔ ''آپ کو مجھ پر اعتبار کرنا پڑے گا۔ میں قیدی بن کر نہیں رہوں گی۔''

وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''ہزار باتیں منواؤ جان...! مگر اس حویلی سے باہر جانے کی بات بھول جاؤ۔''

وہ ایسی پابندی سے پریشان ہو گئی تھی۔ حویلی میں مقید ہونے کا مطلب یہی تھا کہ اسے ہر حال میں زمرد خان کے بچے کی ماں بننا پڑے گا۔ عورت ماں نہ بننا چاہے تو ہزار جتن سے اپنے شوہر کو آسرے پر رکھتی ہے۔ پاؤں بھاری ہونے سے پہلے ہی خود کو ہلکا کرنا جانتی ہے۔ لیکن قیدی بن کر رہنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ سختی سے اس کی نگرانی کرے گا۔ کسی لیڈی ڈاکٹر سے بھی رازداری سے رابطہ نہیں کرنے دے گا۔ اب تو حالات کہہ رہے تھے کہ وہ ماں بننے کے بعد ہی اس سے پیچھا چھڑا سکے گی۔

وہ بیڈ کے قریب آ کر گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ ''فی الحال

میں تمہیں ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ شادی کی اس رات کو سہاگ رات نہیں بناؤں گا۔''

یہ بات وہ خلافِ توقع بول رہا تھا۔ ماروی نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ بیڈ کے سرے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''بیوہ یا مطلقہ عورت چار ماہ اور دس دنوں کی عدت گزارنے کے بعد دوسرے مرد سے شادی کرتی ہے۔ یہ عرصہ اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ آئندہ ہونے والے مجازی خدا کی اولاد میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہ رہے۔ لہٰذا میں بھی یہی کروں گا۔''

اس نے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ کر اسے دیکھا۔ پھر کہا۔ ''میں نہ تو مطلقہ ہوں' نہ بیوہ ہوں۔ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟''

وہ بولا۔ ''تم ایک محبوب کے ساتھ خوب رنگ رلیاں مناتی رہی ہو۔ میری بات بری لگ رہی ہو گی۔ لیکن حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جوانی کی گرما گرمی میں سنگین نادانیاں ہو جاتی ہیں۔ میں اپنے وارث کے معاملے میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا۔ چار ماہ کے عرصے میں اندر کی بات باہر آ جائے گی۔''

وہ غصے سے تلملا کر بولی۔ ''آپ میری پاک دامنی پر شبہ کر رہے ہیں؟''

وہ اس کے دامن کو ایک چٹکی میں پکڑتے ہوئے بولا۔ ''یہ دامن کتنا پاک صاف ہے' چار ماہ میں پتہ چل جائے گا۔''

وہ ایک جھٹکے سے اپنا دامن کھینچتے ہوئے بولی۔ ''آپ میری انسلٹ کر رہے ہیں۔''

وہ بڑے جذباتی انداز میں اس کی طرف جھکتے ہوئے بولا۔ ''انسلٹ کو برداشت کرو۔ اپنی پارسائی ثابت کرو۔ پھر میں تمہیں سر پر بٹھاؤں گا۔''

وہ سرک کر پیچھے ہٹ گئی۔ وہ سر جھٹک کر مسکرانے لگا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر اٹھتے ہوئے بولا۔ ''فی الحال میں نے تمہیں شجرِ ممنوعہ بنا لیا ہے۔ یہ میرے لئے بڑی تکلیف دہ بات ہے کہ تمہیں حاصل کرنے کے بعد بھی میں تم سے محروم رہوں گا۔ کوئی بات نہیں' کبھی کبھی میٹھا کھانے کے لئے کڑوا گھونٹ لینا پڑتا ہے۔''

وہ اپنے مقدر میں عارضی محرومیاں لکھ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ ماروی سے ایسی توہین برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ پارسائی ثابت کرنے کی کوئی صورت ہوتی تو ابھی ثبوت

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

پیش کر دیتی۔ مگر اپنے پرائے سب ہی اسے بچل کے ساتھ آزادی سے وقت گزارتے دیکھتے رہے تھے۔ شک وشبے کی گنجائش تھی۔ ایسے میں زمرد خان قلبی اطمینان چاہتا تھا۔ وہ قانوناً اُسے تمام مَردوں سے دور گھر کی چار دیواری میں قیدی بنا کر رکھ سکتا تھا۔

وہ اپنی توہین پر جھنجلا تو رہی تھی لیکن ایسے ہی وقت یہ بات بھی سمجھ میں آرہی تھی کہ خدا اس پر مہربان ہے۔ یہ چار ماہ کا عرصہ زمرد خان سے دامن بچائے رکھنے کے لئے مل رہا ہے۔ اگر اس دوران وہ اپنے باپ کی تمام سیاہ دستاویزات کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے گی تو بڑے فخر سے بے داغ رہ کر اپنے بچل کے پاس پہنچ سکے گی۔

☆☆☆

بیرونی کھڑکی کا شیشہ ایک زوردار آواز کے ساتھ چکنا چور ہوا تو اللہ وسائے گہری نیند سے چونک گیا۔ صبح کے نو بج رہے تھے۔ باہر سے شور ہنگامے کی مدھم مدھم سی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور کھڑکی کا ٹوٹا ہوا شیشہ کہہ رہا تھا' باہر کوئی گڑبڑ ہے اور اس گڑبڑ کا تعلق اس کی ذات سے ہے۔ تب ہی پتھر اس کی طرف آیا ہے۔

وہ بستر سے اتر کر محتاط انداز میں کھڑکی کے پاس آگیا۔ اس کا بیڈروم اوپری منزل پر تھا۔ نیچے کوٹھی کے مین گیٹ کے باہر لوگوں کا ہجوم دکھائی دے رہا تھا۔ وہ لوگ اللہ وسائے اور اس کے بیٹوں کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔ احتجاجی انداز میں کوٹھی پر پتھراؤ کیا جا رہا تھا۔ چند افراد ویڈیو کیمروں کے ذریعہ وہاں کی تمام صورتحال ریکارڈ کر رہے تھے۔ فلیش کیمروں کے ذریعہ تصویریں اتاری جا رہی تھیں۔

وہ جلوس نما ہجوم جیسے گیٹ توڑ کر کوٹھی کے اندر گھس آنا چاہتا تھا۔ سیکورٹی گارڈز انہیں روکنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ ایسے میں وہ لوگ مزید مشتعل ہوگئے تھے۔ ہاتھا پائی کی نوبت آگئی تھی۔ اللہ وسائے پریشان ہو کر فوراً ہی انٹر کام کے ذریعہ چوکیدار سے رابطہ کرنے لگا۔

اس شور ہنگامے نے بچل اور بجل کو بھی جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ وہ گھبرا کر اپنے اپنے کمروں سے نکل آئے تھے۔ بچل نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ''یہ باہر کیسا شور ہے؟''

بجل نے کہا۔ ''لگتا ہے' ہمارے خلاف کسی نے احتجاجی جلوس نکالا ہے؟''

''یہ ضرور اپوزیشن والوں کی حرکت ہوگی۔ ڈیڈ کہاں ہیں؟''

بجل باپ کے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ ''اپنے بیڈروم میں ہوں گے۔''

وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے دروازہ کھول کر اندر آگئے۔ وہاں اللہ وسائے انٹر کام کے ذریعہ چوکیدار سے پوچھ رہا تھا۔ ''یہ کون لوگ ہیں؟''

وہ بولا۔ ''پریس والے ہیں سائیں...!''

اس نے بیٹوں کو دیکھتے ہوئے پریشانی سے کہا۔ ''پریس والے....؟''

پریس کا نام سن کر بچل اور بجل بھی چونک گئے۔ دوسری طرف سے چوکیدار نے کہا۔ ''یہ لوگ کسی بانو ثمینہ کا نام لے لے کر چھوٹے سائیں کے خلاف نعرے لگا رہے ہیں۔''

اللہ وسائے نے ایک ذرا چونک کر بجل کو دیکھا۔ پھر چوکیدار سے پوچھا۔ ''کون بانو ثمینہ.....؟''

یہ نام سنتے ہی بجل کے ذہن کو جیسے ایک جھٹکا سا لگا۔ دوسری طرف سے چوکیدار نے کہا۔ ''آپ ہمیں اسلحہ استعمال کرنے کی اجازت دیں سائیں! ہم انہیں زیادہ دیر تک روک نہیں سکیں گے۔ دوسری طرف پتھراؤ سے کوٹھی کو نقصان پہنچ رہا ہے۔''

اس احتجاجی جلوس کو کوٹھی سے دور کرنے کے لئے مناسب اقدامات ضروری تھے۔ اللہ وسائے نے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ دو چار ہوائی فائر کرو۔ لیکن خیال رکھنا کسی کو گولی نہ لگے۔ ورنہ یہ صحافی لوگ اور زیادہ مشتعل ہوجائیں گے۔''

اس نے ریسیور رکھ کر رابطہ ختم کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی فائرنگ کی آوازیں گونجنے لگیں۔ وہ تینوں بیرونی کھڑکی کے پاس آگئے تھے۔ فائرنگ کے بعد جلوس میں بھگدڑ مچ گئی تھی۔ ایسے ہی وقت رینجرز کی موبائل آگئی۔ ان مسلح جوانوں نے فوراً ہی کوٹھی کے گیٹ کے آگے پوزیشن سنبھال لی اور وہاں کے حالات پر قابو پانے لگے۔

اللہ وسائے نے چھوٹے بیٹے کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''میں نے زندگی میں کبھی پریس والوں کی مخالفت مول نہیں لی۔ یہ سارا تماشہ تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔''

بچل بھی معاملے کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ اس نے بھائی سے کہا۔ ''تم تو اس روز اس اخباری چیونٹی کو مسلنے گئے تھے' پھر بات یہاں تک کیسے پہنچ گئی؟''

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

وہ جھنجلا کر بولا۔ ''مجھے کیا معلوم تھا' وہ کمزور ہونے کے بعد بھی کاٹنے سے باز نہیں آئے گی۔''

باپ نے چونک کر پوچھا۔ ''کیا مطلب...؟ کیا وہ زندہ ہے؟''

اس نے ہاں کے انداز میں سر جھکا لیا۔ بچل نے ایک ہاتھ جھٹک کر کہا۔ ''او نو.....''

باپ نے بچل کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''یہ تم نے کیسی حماقت کی ہے؟ میں تو سمجھ رہا تھا' تم اسے ٹھکانے لگا چکے ہو۔''

وہ بولا۔ ''لڑکیاں آبرو باختہ ہونے کے بعد زندہ لاش بن کر رہ جاتی ہیں۔ دنیا والوں سے منہ چھپاتی پھرتی ہیں۔ وہ بھی ادھ موئی ہو چکی تھی۔ میں نے اس خیال سے اسے زندہ چھوڑ دیا تھا کہ وہ سسک سسک کر جیتی رہے گی اور اپنا دکھڑا کسی کو سناتے ہوئے شرمائے گی۔''

بچل نے غصے سے کہا۔ ''یہ تمہاری نادانی تھی۔ وہ کوئی عام لڑکی نہیں تھی' جو منہ چھپا کر گھر میں بیٹھ جاتی۔ تمہاری بے وقوفی کا نتیجہ سامنے آ رہا ہے۔ دیکھو! اس نے کتنا بڑا ہنگامہ کھڑا کیا ہے اور آگے نہ جانے کیا ہونے والا ہے؟''

باپ نے پریشان ہو کر کہا۔ ''اس جھمیلے سے اپوزیشن والے پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے۔ میڈیا اور پریس کے ذریعہ ہم پر کیچڑ اچھالی جائے گی۔''

اللہ وسائے غصے سے بڑبڑاتا ہوا نچلی منزل کی طرف جانے لگا۔ ''اب مجھے رینجرز والوں سے نمٹنا ہوگا۔ پریس اور اپوزیشن والے اس معاملے کو بارہ مسالے کی چاٹ بنا کر پیش کریں گے۔''

بچل نے باپ کے پیچھے چلتے ہوئے کہا۔ ''میں نے آپ سے کہا تھا ڈیڈ! اس لڑکی کے اغوا کے بعد بات بگڑ سکتی ہے اور اب آپ دیکھ ہی رہے ہیں' پہلی بار ہماری کوٹھی کے آگے ہمارے خلاف نعرے لگائے گئے ہیں۔''

بچل بھی ان کے پیچھے آتے ہوئے بچل سے بولا۔ ''ادا سائیں! آپ ڈیڈ کو غصہ نہ دلائیں۔ یہ بڑی بڑی آندھیوں کا منہ پھیرنا جانتے ہیں۔''

وہ تینوں نیچے ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے۔ پھر اللہ وسائے بیٹوں سے کچھ کہے سنے بغیر رینجرز والوں سے نمٹنے کے لئے باہر چلا گیا۔ بچل نے بھائی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں جانتا ہوں' ڈیڈ کیا کریں گے؟ سب سے پہلے اس لڑکی کو خریدنے کی کوشش کریں گے۔ وہ بکنے پر آمادہ نہ ہوئی تو اُسے غائب کرا دیں گے۔''

بچل نے بڑے فخر سے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''آخر ڈیڈ کس کے ہیں...؟ میرے ہیں...میرے۔ مجھ پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔''

''بات صرف تم پر آنچ آنے کی نہیں ہے۔ وہ لڑکی ہماری پارٹی کے [illegible] بن گئی ہے۔ اگر ہم سے راضی نہ ہوئی تو اسے ٹھکانے لگانا آسان ہوگا مگر بات اور بگڑ جائے گی۔ اب تو اپوزیشن والے بھی اسے بہت بڑا ایشو بنائیں گے۔''

وہ دونوں موجودہ حالات پر بحث کر رہے تھے۔ اللہ وسائے جس طرح بڑبڑاتا ہوا گیا تھا' اسی طرح بڑبڑاتا ہوا اندر آیا۔ ''یہ رینجرز والے تو قابو میں آجاتے ہیں۔ لیکن پریس والوں سے نمٹنا بہت مشکل ہوگا۔ بچل! تم نے باپ کے راستے میں کانٹے بچھا دیئے ہیں۔''

بچل اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔ ایسے وقت موبائل فون کا بزر بولنے لگا۔ اللہ وسائے نے اسکرین پر نمبر پڑھتے ہوئے کہا۔ ''پتہ نہیں کون ہے؟ اب تو کسی کی بھی کال ہو' اٹینڈ کرنی ہی ہوگی۔''

وہ فون آن کر کے اسے کان سے لگا کر بولا۔ ''ہیلو.... اللہ وسائے اسپیکنگ....''

دوسری طرف سے کہا گیا۔ ''ہم بھی یہی چاہتے ہیں سائیں...! اللہ آپ کو آپ کے نام کی طرح بسائے رکھے۔ مگر کیا کیا جائے؟ لوگ اقتدار کے نشے میں اپنی سلامتی کو خطرے میں ڈال دیتے ہیں۔''

اس نے ناگواری سے پوچھا۔ ''کون بول رہا ہے؟''

''یہ نہ پوچھیں' کون بول رہا ہے؟ یہ پوچھیں کہ کون کون نہیں بول رہا ہے؟ بولنے کا موقع ہے' سب ہی اپنی اپنی بولیاں بول رہے ہیں۔''

وہ غصے سے گرج کر بولا۔ ''تم ہو کون....؟''

''ہم وہ ہیں' جن کے قلم سے نکلی ہوئی بات' چشم زدن میں دنیا کے ایک سرے

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

سے دوسرے سرے تک پہنچ جاتی ہے۔ آپ جیسے بڑے اور سیانے سیاستدان تو ہمیں راضی رکھنے کے سوجتن کرتے رہتے ہیں۔ پھر بیٹے نے اتنی بڑی نادانی کیسے کر ڈالی؟"

اللہ وسائے سمجھ گیا تھا کہ فون کے دوسری طرف کوئی صحافی ہے۔ اس نے ایک ذرا نرم لہجے میں کہا۔ "ہمارے بیٹے نے کوئی نادانی نہیں کی ہے۔ جو لوگ اُسے الزام دے رہے ہیں' وہ یقیناً حاسد ہیں' ہمارے دشمن ہیں۔"

وہ بولا۔ "ہم اس سلسلے میں آپ کا بیان لینے آ رہے ہیں۔ ہو سکے تو آپ پریس والوں کو مطمئن کریں۔ ورنہ آپ کے خلاف ضمیمے شائع ہوں گے۔ ٹی وی چینلز والے بھی آپ کو آڑے ہاتھوں لیں گے۔ ایسے وقت آپ کے کئی مخالفین نہ جانے کیسے کیسے بیانات دیں گے؟ ویسے ہم بتا دیں' آپ کے خلاف بڑی گہری اور اہم خبریں ہم تک پہنچ رہی ہیں۔ ابھی آپ کو بڑے طوفانوں سے گزرنا ہے سائیں....!"

اس کی باتیں اللہ وسائے کے دماغ پر ہتھوڑے برسا رہی تھیں۔ اس نے کہا۔ "آپ کی باتوں میں دھمکی بھی ہے اور نیک مشورے بھی ہیں۔ شکریہ' میں اپنے حالات سے نمٹ لوں گا۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ بچل نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا۔ "کون تھا ڈیڈ....!"

وہ ناگواری سے بولا۔ "چھوٹے چھوٹے لوگوں کو بڑی بڑی باتیں بنانے کا موقع مل گیا ہے۔ اس معاملے کو جلدی نمٹایا نہ گیا تو آئندہ الیکشن میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

ایسے وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اللہ وسائے نے ناگواری سے کہا۔ "مذاق اڑانے والوں کے منہ کھل گئے ہیں۔ ملازم سے کہہ کر تار نکال دو۔ فی الحال میں کوئی فون ریسیو نہیں کروں گا۔"

گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ ایک ملازم کو بلا کر تار نکال دیا گیا۔ فون خاموش ہوا تو بچل نے کہا۔ "میرے بندے بانو ثمینہ کا پتہ ٹھکانہ جانتے ہیں۔ آپ کہیں تو میں اب بھی اسے......"

اللہ وسائے نے ایک ہاتھ اُٹھا کر گرجتے ہوئے کہا۔ "بس۔ آگے نہ بولو۔ تم کام

بنانا نہیں بگاڑنا جانتے ہو۔"

بچل گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے باپ سے کہا۔ "اس وقت بانو ثمینہ سب سے اہم مہرہ ہے۔ اگر اس کا بیان بدل جائے تو سارا معاملہ چٹکیوں میں ٹھنڈا پڑ جائے گا۔"

اللہ وسائے نے کہا۔ "اس لڑکی نے انتقام لینے کے لئے اپنے اغوا کو اور بے آبروئی کو نہیں چھپایا ہے۔ خود کو بدنامی کے راستے پر لے آئی ہے تو وہ اب اپنا بیان نہیں بدلے گی؟"

"پیسہ ڈیڈ....! پیسہ.... ہو سکتا ہے' وہ ہمیں بلیک میل کر کے اپنا کوئی مفاد حاصل کرنا چاہتی ہو۔ سب ہی مال کمانا چاہتے ہیں۔ ایک موٹی رقم کا لالچ دے کر اسے آزمانا چاہئے۔"

اللہ وسائے نے قائل ہو کر اسے دیکھا۔ بچل نے کہا۔ "ڈیڈ...! ادا سائیں ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ وہ چھوٹے علاقے کے چھوٹے لوگ ہیں۔ ہم انہیں سمجھائیں گے کہ حکومت ہماری ہے۔ قانون ہمارا ہے۔ آج ہمارے خلاف اچھلنے والی بات کل دب جائے گی۔ مگر انہیں سوائے بدنامی کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اس کے برعکس ہم سے سمجھوتہ انہیں بھرپور فائدہ پہنچائے گا۔"

اللہ وسائے نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں بابا.... مگر یہ سمجھوتہ کرنا یا اپنی بات بانو ثمینہ تک پہنچانا آسان نہیں ہوگا۔ اس کی کڑی نگرانی کی جا رہی ہوگی۔"

بچل نے کہا۔ "یہ معاملہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔"

انہیں ہمیشہ کی طرح یقین تھا کہ وہ دولت اور سیاسی جوڑ توڑ کے ذریعہ اس سنگین معاملے کو دبا دیں گے۔ دوسری طرف بانو ثمینہ اور اس کے بوڑھے والدین پر جیسے قیامت گزر رہی تھی۔ وہ اس معاملے کو مشتہر نہیں کرنا چاہتے تھے مگر جوشیلے صحافی اس واقعہ کو منظر عام پر لا کر اسے تماشہ بنا رہے تھے۔ اللہ وسائے اور اس کے بیٹے کے خلاف شہ سرخیوں میں گرما گرم خبریں شائع ہونے لگیں۔ بانو ثمینہ پر جو گزر رہی تھی' اسے خوب نمک مرچ لگا کر عوام کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا۔ ایسی چٹ پٹی خبروں کے باعث اخبارات ہاتھوں ہاتھ بک رہے تھے۔

دوسری طرف اللہ وسائے کے مخالفین اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ برسر اقتدار پارٹی کے

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

خلاف تمام میڈیاز کے ذریعہ ان کی اگلی پچھلی کمزوریوں کو بھی اُچھال رہے تھے۔ایک دوسرے کے خلاف بولنے اور اپنا اپنا مفاد حاصل کرنے کے لئے بانو ثمینہ کو مہرہ بنا رہے تھے۔

وہ بیچاری اپنے حالات کو خود سمجھ نہیں پا رہی تھی۔تمام جرنلسٹ اس کی حمایت میں بول رہے تھے۔ان کی ہمدردیاں اسے انصاف کے حصول کے لئے اُکسا رہی تھیں۔اس کی بہتری کے لئے ایسا کیا جا رہا تھا۔لیکن بہتری سے زیادہ بدنامی گلے پڑ رہی تھی۔

اپوزیشن پارٹی کے ایک لیڈر ملک سکندر حیات نے اپنے مشیروں سے کہا۔"واہ رے میرے مولا...! کیا خوب موقع دیا ہے؟ اس کھیل کو ہم جلدی ختم نہیں ہونے دیں گے۔اللہ وسائے اور اس کے بیٹوں کو اخبارات میں ٹی وی چینلز میں اور عدالت میں گھسیٹیں گے۔"

ایک مشیر نے کہا۔"اگر یہ معاملہ الیکشن تک اسی طرح ہاٹ کیک بنا رہا تو اس بار اللہ وسائے اور پیر شاہ محمد اقتدار کی کرسی سے اوندھے منہ گریں گے۔عوام اور صحافی سب ہی ان کے خلاف کچھ نہ کچھ بول رہے ہیں۔"

دوسرے مشیر نے کہا۔"بہت کچھ بول رہے ہیں سائیں...! ضمیمے شائع ہو رہے ہیں۔صبح تک جو بات رائی جیسی تھی' وہ شام تک پہاڑ بن چکی ہے۔"

ایک نے کہا۔"ملک صاحب...! اس معاملے کو طول دینے کے لئے بانو ثمینہ پر کڑی نظر رکھنی ہوگی۔وہ اور اس کے گھر والے بدنامی سے پریشان ہیں۔یہ لڑکیاں اکثر ایسے موقع پر خودکشی کر لیتی ہیں۔اگر وہ ختم ہو گئی تو سارا معاملہ ہی ختم ہو جائے گا۔"

ملک سکندر حیات نے اس مشیر کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔دوسرے نے کہا۔"دوسرے پہلو پر بھی دھیان دیں ملک صاحب.....! اللہ وسائے اسے خرید کر اس کا بیان بدلوانے کی چالیں چل سکتا ہے۔میرا مشورہ مانیں تو اس لڑکی کو اپنی مٹھی میں کر لیں۔"

ان مفاد پرستوں کے درمیان بانو ثمینہ جیسے دو پاٹن کے بیچ آ گئی تھی۔اللہ وسائے اسے خرید کر اپنی طرف کرنا چاہتا تھا۔تاکہ بیان تبدیل کرایا جا سکے۔ملک بھر کی نیوز ایجنسیاں اسے ہاٹ کیک کی طرح استعمال کر رہی تھیں اور اپنا کاروبار چمکا رہی

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

تھیں۔دوسری طرف اپوزیشن پارٹی کے کرتا دھرتا ملک سکندر حیات کو اللہ وسائے کے خلاف زبردست مُہرہ مل رہا تھا۔وہ اسے اپنی نگرانی میں رکھ کر اللہ وسائے کو شہہ مات دے سکتا تھا۔

☆☆☆

اُس چھوٹے سے محلے میں بڑی بڑی گاڑیوں کی آمدورفت شروع ہو گئی تھی۔چپل' بانو ثمینہ سے معاملات طے کرنے کے لئے بے چین تھا۔اس مقصد کے لئے صحافیوں اور مخالفین کی نظروں میں آئے بغیر ثمینہ سے ملاقات کرنا چاہتا تھا۔مگر ایسا کوئی موقع نہیں مل رہا تھا۔

چپل کے حواری اس محلے کے دور و نزدیک رہ کر اسے وہاں کے تمام حالات بتا رہے تھے۔شام کے بعد بانو ثمینہ کے دروازے پر ملک سکندر حیات کی سواری پہنچی تو فوراً ہی چپل کو خبر دی گئی۔اس نے ناگواری سے کہا۔"کنوئیں کے مینڈکوں کو تالاب میں آ کر اچھلنے کا موقع مل گیا ہے۔میں جانتا تھا' یہ سکندر فتح کے جھنڈے گاڑنے کے لئے بانو ثمینہ سے ضرور ملے گا۔"

بچل نے کہا۔"اس سے پہلے ہمیں وہاں پہنچنا چاہیے تھا۔"

"اپنی پوزیشن کو سمجھو...اگر کسی نے ہمیں اس لڑکی کے آس پاس دیکھ لیا تو ہمارے مقاصد سب ہی پر واضح ہو جائیں گے۔"

"اور اگر اسی طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے تو اپوزیشن والے اسے اپنا زبردست مہرہ بنا لیں گے۔"

چپل نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔"تمہاری نادانی نے یہ دن دکھایا ہے۔اب خاموشی سے میری حکمتِ عملی دیکھتے رہو۔میں اچھی طرح سمجھ رہا ہوں' اس معاملے کو کیسے سنبھالنا ہے؟"

اللہ وسائے نے کہا۔"اگر ملک سکندر حیات نے بانو ثمینہ اور اس کے گھر والوں کو ہم سے پہلے خرید لیا تو بڑی گڑبڑ ہو جائے گی۔"

چپل نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔"میں اب کچھ اور سوچ رہا ہوں ڈیڈ...!"

باپ اور چھوٹے بھائی نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولا۔ ''نیلامی کی چیز آخری بولی لگانے والے کو ہی ملتی ہے اور میں ایسی بولی لگاؤں گا کہ وہ ہماری مخالفت بھول جائے گی۔''

اللہ وسائے نے پوچھا۔ ''ہمیں بھی تو پتہ چلے بابا..... تم اسے کیا آفر دینے والے ہو؟''

اس نے مسکرا کر چھوٹے بھائی کو دیکھا۔ پھر باپ سے کہا۔ ''ہم بچل کا رشتہ لے کر اس کے پاس جائیں گے۔''

بچل نے ایکدم سے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''اندھا کیا چاہے..... دو آنکھیں..... ہم اسے عزت آبرو کے ساتھ اپنی بہو بنانے کی بات کریں گے۔ یہ ایسی آفر ہوگی کہ اس کے آگے ملک سکندر حیات کی بڑی سے بڑی آفر بھی کام نہیں آئے گی۔''

اللہ وسائے نے گہری سوچتی ہوئی نظروں سے بیٹے کو دیکھا۔ بچل نے ناگواری سے کہا۔ ''یہ اس مسئلے کا حل نہیں ہے۔ میں اس نیچ گھرانے کی بدنام لڑکی کو ہرگز اپنی بیوی نہیں بناؤں گا۔''

بچل نے سمجھانے کے انداز میں اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا۔ ''سیاست کو سمجھو۔ وہ ہمارے معیار کی نہیں ہے۔ مگر خود کو سنبھالنے کے لئے اسے اپنانا بہت ضروری ہو گیا ہے۔ جب معاملہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو ہم اس گھنٹی کو تمہارے گلے سے اتار پھینکیں گے۔''

وہ خود غرض سیاستدان ایک اور لڑکی کے ہاتھوں میں اپنے مفادات کے مطابق مہندی رچانے والے تھے۔ وہ جس کے نام سے بری طرح بدنام ہو رہی تھی' اب وہی نام اسے نام نہاد عزت دینے والا تھا۔

اللہ وسائے نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ ''نہ بابا نہ.. اس لڑکی سے رشتہ کریں گے تو ہماری یہ کمزوری کھل جائے گی کہ ہم اپنے بیٹے کا جرم چھپانے کے لئے یا اس کی غلطیوں کی تلافی کرنے کے لئے شادی اور رشتے داری کا پردہ ڈال رہے ہیں۔''

بچل نے کہا۔ ''یہی تو میں کہتا ہوں' دنیا یہی کہے گی کہ میں نے اس کے ساتھ

زیادتی کی تھی۔ اب وہ گناہ اور جرم کھل کر سامنے آ گیا ہے تو نکاح پڑھا کر اس پر مٹی ڈال رہا ہوں۔ خود کو اور برسرِ اقتدار پارٹی کو بدنامی سے بچانا چاہتا ہوں۔''

یہ تو گویا کھل کر اپنے گناہ اور ظلم کا اعتراف کرنے والی بات تھی۔ لہٰذا انہوں نے بانو ثمینہ سے رشتہ جوڑنے والی بات ذہن سے نکال دی۔ بچاؤ کی دوسری تدبیریں سوچنے لگے۔

دوسری طرف ملک سکندر حیات اپنے طور پر چالیں چلنے کے لئے بانو ثمینہ کے پاس پہنچا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ ''تم نے بچل وسائے کے خلاف آواز بلند کر کے بڑے حوصلے کا مظاہرہ کیا ہے۔ لیکن جانتی ہو' وہ اور اس کا باپ کتنے زبردست ہیں؟ کیا تم ان کا تنہا مقابلہ کر سکو گی؟''

بدنامی کا بوجھ ایسا پڑا تھا کہ اس کا سر ہمیشہ جھکا رہتا تھا۔ اس نے فرش کو تکتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔ ''میں تنہا نہیں ہوں۔ میرے ساتھ میری پوری صحافی برادری ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جو کچھ ہوا' میں اس کی تشہیر نہیں چاہتی تھی۔ ظالموں کو سزا ملے یا نہ ملے۔ میرا سر تو ہمیشہ کے لئے جھک گیا ہے۔ میں کسی سے آنکھ ملا کر بات کرنے کے قابل نہیں رہی۔''

''اگر چھپا رہی ہو تو اتنا بڑا ہنگامہ کیوں کھڑا کیا...؟''

''میرے نہ چاہتے ہوئے ایسا ہو گیا۔ میں بہت بُری حالت میں ہوسپٹل پہنچائی گئی تھی۔ اس وقت بیہوش تھی۔ صحافی بھائی میری حالتِ زار پر غصے میں آ گئے۔ انہوں نے جوش و جنون میں میری تصویریں اور ویڈیو فلم رپورٹس اخبارات اور چینلز تک پہنچا دیں۔ میں نے ہوش میں آنے کے بعد ایسے اقدامات پر اعتراض کیا مگر میرے کچھ کہنے سننے کا وقت گزر چکا تھا۔''

ملک سکندر حیات نے کہا۔ ''صحافی بھائیوں نے تمہاری بہتری کے لئے ایسا کیا ہے۔ تمہاری جیسی مظلوم لڑکیوں پر مظالم ڈھائے جاتے ہیں۔ مگر ظالم اس لئے گرفت میں نہیں آتے کہ مظلوم لڑکیاں شرم و حیا سے منہ چھپاتی ہیں۔ آبرو باختہ نہیں کہلانا چاہتیں۔ تم تعلیم یافتہ ہو۔ تمہیں انصاف حاصل کرنے کے لئے سر اٹھا کر سینہ تان کر مجرموں کو عدالت میں گھسیٹنا چاہئے۔ انہیں قرار واقعی سزا دلانا چاہئے۔''

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

ثمینہ نے کہا۔ ''ابھی آپ نے فرمایا ہے۔ وہ زبردست ہیں۔ میں بھی سمجھتی ہوں' وہ لوگ برسرِ اقتدار ہیں۔ اپنے خلاف اچھلنے والی بات کو دبانا ان کے لئے آسان ہوگا۔''

''اگر وہ حکمران ہیں تو میں یہاں کی سب سے بڑی اور مضبوط اپوزیشن پارٹی کا چیئرمین ہوں۔ ان کے ہر جوڑ کا توڑ کرنا جانتا ہوں۔ وہ تمہیں کمزور بنانا چاہیں گے۔ میں تمہاری طاقت بنتا رہوں گا۔''

اس نے ایک ذرا پریشان ہو کر کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔ بے شک اللہ وسائے اگر ننگی تلوار تھا تو ملک سکندر حیات ایک مضبوط ڈھال بن کر آ گیا تھا۔ اس کے باوجود وہ اب بھی یہی چاہتی تھی کہ بدنامی کا سلسلہ رُک جائے۔ بات ختم ہو جائے۔ اس نے ملک سے یہی کہا۔ ''آپ میرے لئے کچھ کرنا چاہتے ہیں تو آئندہ ہونے والی بدنامیوں سے کسی طرح مجھے بچالیں۔''

وہ اسے بچانے نہیں' اپنے حریفوں کو اس کے ذریعہ ڈبونے آیا تھا۔ مسکراتے ہوئے بولا۔ ''بدنامی تو ہو چکی ہے۔ داغ ایسا لگ چکا ہے کہ کبھی دھویا نہیں جا سکے گا۔ تم سے ہمدردیاں سب ہی کریں گے۔ لیکن کوئی تمہیں ایک داغ دار گھر والی نہیں بنائے گا۔ تم ذہانت سے کام لو گی۔ ظالموں کو سزا دلاؤ گی تو وہ آئندہ کسی لڑکی پر ایسا ظلم نہیں کریں گے۔ تمہارے جرات مندانہ اقدام سے دوسری لڑکیوں کو تحفظ حاصل ہوگا۔''

یہ سن کر وہ شرم سے مری جا رہی تھی کہ وہ داغ دار ہو چکی ہے اور اب کوئی اسے کنواری اور اچھوتی نہیں سمجھے گا۔ وہ ایک عورت کا مان مرتبہ کھو چکی ہے۔ بوڑھی ماں نے روتے ہوئے کہا۔ ''میری بچی کی تو زندگی برباد ہو گئی ہے۔ ایسی ایسی خبریں شائع ہو رہی ہیں کہ ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے ہیں۔ اپنے حالات کا مقابلہ نہیں کر پا رہے ہیں۔ ان بڑے لوگوں کا کیا خاک مقابلہ کریں گے؟''

وہ بڑے ہی ہمدردانہ لہجے میں بولا۔ ''آپ کی بیٹی کے سر پر میرا ہاتھ رہے گا تو یہ ان سے انتقام بھی لے سکے گی اور اسے انصاف بھی ملے گا۔ میں اسے عزت بھی دلاؤں گا اور کامیابی بھی....''

بانو ثمینہ سر جھکائے سوچ رہی تھی۔ ملک سکندر حیات کی یہ بات درست تھی کہ بدنامی تو ہو چکی ہے۔ کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آئے گا۔ البتہ وہ پلٹ کر ملک کے سائے میں رہ کر ظالموں پر تیر چلا سکتی ہے۔ ملک نے کہا۔ ''میں یہاں صرف زبانی ہمدردی کرنے نہیں آیا ہوں۔ عملی طور پر تمہارے کام آنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ تمہارے دشمن میرے بھی دشمن ہیں۔ تم کورٹ کچہری کے جھمیلے نہیں جانتی ہو۔ یہ اتنا بڑا کیس ہے کہ اس میں لاکھوں روپے پانی کی طرح بہانے ہوں گے۔ میں ان معاملات سے بخوبی نمٹ سکتا ہوں۔ ہم ایک دوسرے کے تعاون سے ہی اللہ وسائے اور اس کے بیٹے کو عبرت ناک انجام تک پہنچا سکیں گے۔''

بوڑھے والدین بیٹی کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ ملک نے کہا۔ ''لڑکی ذات کو اپنی نیک نامی کی فکر رہتی ہے۔ مگر تمہاری زندگی سے تو بدنامی کا خوف دور ہو چکا ہے۔ جو ہونا تھا' وہ ہو چکا ہے۔ اب تو تم قانونی تقاضے پورے کرو۔ تم صحافی ہو۔ انصاف حاصل کرنا اور مجرموں کو سزا دلانا تمہارا فرض ہے۔''

آخر میں اس نے بڑے ہی مستحکم لہجے میں کہا۔ ''یاد رکھو...اگر تم نے ان کے خلاف اقدامات نہیں کئے تو وہ دشمن تمہاری گواہی اور تمہارے بیانات سے بچنے کے لئے تمہیں پھر اغوا کرا سکتے ہیں۔ قتل کر کے تمہاری لاش غائب کرا سکتے ہیں۔''

بوڑھے والدین کے دل دھک سے رہ گئے۔ ماں نے پریشان ہو کر سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ....یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا وہ اسے جان سے مار سکتے ہیں؟ یا اللہ یہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟''

اس نے کہا۔ ''یہ میرے مشوروں پر عمل کرے گی' میری پناہ میں رہے گی تو وہ دشمن بھی اس کے سائے تک بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔''

باپ نے چونک کر پوچھا۔ ''میں آپ کی بات نہیں سمجھا...آپ کی پناہ میں رہنے کا کیا مطلب ہوا؟''

وہ بولا۔ ''آپ کی بیٹی ان لوگوں کے پاؤں کا کانٹا بن گئی ہے۔ آپ معاملے کی سنگینی کو نہیں سمجھ رہے ہیں۔ دشمن موقع کی تاک میں ہیں۔ بانو ثمینہ ختم ہو گئی تو سارا معاملہ ہی

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

ٹھنڈا پڑ جائے گا۔"

ماں نے تڑپ کر کہا۔ "خدا نہ کرے میری بچی کے ساتھ ایسا کچھ ہو۔ آپ جو کہیں گے، ہم اس کی سلامتی کے لئے وہی کریں گے۔"

باپ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گیا تھا۔ ملک نے کہا۔ "میرے مشورے پر ابھی عمل کریں۔ یہ کرائے کا مکان چھوڑ کر میری کوٹھی میں آ جائیں۔ وہاں اوپری منزل میں آپ لوگوں کی رہائش کا انتظام ہو جائے گا۔"

بانو ثمینہ نے کہا۔ "ہم آپ پر بوجھ بن جائیں گے۔"

"یہ بوجھ کچھ بھی نہیں ہے۔ میں تو تمہارا مقدمہ لڑنے کے لئے لاکھوں روپے خرچ کرنے والا ہوں۔ بس اب بحث نہ کرو۔ تم میرے ساتھ چلوگی۔ ابھی میرے آدمی گاڑی لے کر آئیں گے۔ تمہارے امی اور ابو سامان لے کر اس گاڑی میں آ جائیں گے۔"

ثمینہ کے آگے سلامتی کا اور کوئی ایسا ٹھوس راستہ نہیں تھا۔ بوڑھے ماں باپ کو بھی حالات نے سمجھا دیا کہ ایک زبردست کے مقابلے میں بیٹی دوسرے زبردست کی بات مان کر محفوظ اور سلامت رہ سکتی ہے۔

اس مکان سے دور سچل کے حواری بے چینی سے ملک سکندر حیات کی روانگی کا انتظار کر رہے تھے۔ تقریباً دو گھنٹے بعد وہ اپنے گارڈز کے ساتھ باہر آیا تو سچل کے حواری اس کے ساتھ بانو ثمینہ کو دیکھ کر چونک گئے۔ وہ اپنے والدین سے رخصت ہو کر ملک کے ساتھ اس کی گاڑی میں جا رہی تھی۔

ایک حواری نے فوراً ہی سچل سے رابطہ کر کے کہا۔ "سائیں....! یہاں تو گیم ہی کچھ اور ہو گیا ہے۔ ثمینہ اپنا گھر چھوڑ کر ملک کے ساتھ جا رہی ہے۔"

سچل یہ رپورٹ سن کر چونک گیا۔ بے یقینی سے بولا۔ "یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"ٹھیک کہہ رہا ہوں سائیں...! وہ ابھی اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر گئی ہے۔"

وہ غصے سے بولا۔ "وہ گئی ہے تو تم وہاں کیا کر رہے ہو؟ ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر اس کے پیچھے جاؤ اور معلوم کرو۔ اسے کہاں لے جایا جا رہا ہے؟"

بچل اور اللہ وسائے بھی چونک کر سچل کو دیکھ رہے تھے۔ اس نے رابطہ ختم کیا تو

اللہ وسائے نے پوچھا۔ "کون کہاں چلی گئی ہے؟"

وہ ناگواری سے بولا۔ "وہ کم بخت ملک ہم سے دو ہاتھ آگے نکلا۔ پتہ نہیں، بانو ثمینہ کو کہاں لے گیا ہے؟"

"شٹ..." بچل نے کہا۔ "وہ تو ہم سے زیادہ پھرتی دکھا رہا ہے۔ ذرا معلوم تو ہو کہ اسے کہاں لے گیا ہے؟ میں اسے بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

سچل نے اسے ناگواری سے گھورا۔ "تم مرنے مارنے کے سوا کوئی دوسری بات نہیں جانتے؟"

اللہ وسائے نے سوچنے کے انداز میں کہا۔ "مگر وہ اسے کہاں لے کر گیا ہوگا؟"

سچل نے کہا۔ "اس کی مکاری بتا رہی ہے، وہ ہمارے خلاف اسے زبردست مہرہ بنانے والا ہے۔"

باپ نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "کم بخت یہی کرنے والا ہے۔ اُس چھوکری کو اس کے سائے سے بھی دور رکھنا ہوگا۔"

وہ اُٹھ کر ادھر سے ادھر ٹہلتے ہوئے بولا۔ "یہ بھی زمرد خان والا معاملہ بن گیا ہے۔"

بچل نے کہا۔ "یہ عورت ذات ہی فتنہ ہے۔ ہر مسئلہ اسی سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہوتا ہے۔"

سچل نے اسے ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "عورت ایک چنگاری ہے۔ تمہارے جیسے سرپھرے اس چنگاری کو ہوا دیتے ہیں، تب ہی یہ شعلہ بن کر بھڑکتی ہے۔"

اس کے موبائل فون کا بزر سنائی دینے لگا۔ وہ اسے آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے بولا۔ "ہاں۔ بولو.... کیا خبر ہے؟"

دوسری طرف سے اس کے ایک حواری کی آواز سنائی دی۔ "سائیں...! ملک اس چھوکری کو اپنے گھر لے گیا ہے۔ اس کی ایک گاڑی آ کر لڑکی کے ماں باپ کو بھی سامان سمیت وہاں سے لے گئی ہے۔"

اس نے رابطہ ختم کر کے باپ سے کہا۔ "اس نے ثمینہ کو شیشے میں اُتار لیا

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

ہے۔ پتہ نہیں کیسی آفر دی ہے؟ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اس کی کوٹھی میں رہنے چلی گئی ہے۔ یوں سمجھیں ملک اب ہمارا سایہ بھی اس پر نہیں پڑنے دے گا۔"

بچل جھنجلا کر بولا۔ "جس کا ڈر تھا' وہی ہوا۔ وہ لڑکی شاید ہماری آفر کے بعد ٹھنڈی پڑ جاتی۔ لیکن ملک کی چھپر چھایہ ملنے کے بعد عدالتی کارروائی سے باز نہیں آئے گی۔"

اللہ وسائے نے کہا۔ "اس معاملے کو اتنی دور تک نہیں پہنچنا چاہئے۔"

بچل نے کہا۔ "پہنچنے دیں ڈیڈ....! حکومت ہماری ہے۔ عدالت ہماری ہے۔ آخری فیصلہ جج کا نہیں.. ہمارا ہوگا۔"

باپ نے سخت لہجے میں کہا۔ "بات سمجھا کرو۔ یہ معاملہ عدالت میں پہنچنے تک جتنا طول پکڑے گا۔ اتنی ہی ہماری بدنامی دور تک پھیلتی جائے گی۔"

تقدیر سے لڑنے والے تدبیر پر بھروسہ کرتے ہیں۔ مگر حالات اچانک ہی تیور بدل لیں تو تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں اور ابھی حالات نہ جانے کیسے کیسے تیور بدلنے والے تھے؟

☆☆☆

وہ بیوہ نہیں تھی' مطلقہ نہیں تھی' پھر بھی اس نے چار ماہ اور دس دن کسی نامحرم کا منہ دیکھے بغیر گزار دیئے۔ یہ زمرد خان کا حکم تھا۔ پھر یہ کہ اسے اپنی پارسائی ثابت کرنی تھی۔ سو اس نے ثابت کردی کہ اس نے بچل سے محبت ضرور کی ہے۔ لیکن بے داغ رہی ہے۔

ماروی کو پتہ ہی نہ چلا' یہ آزمائش کے دن کیسے گزر گئے؟ بس یوں لگ رہا تھا کہ اس نے شادی کی رات آنکھیں بند کی تھیں۔ صبح بیدار ہوئی تو عدت کے ایام گزر چکے ہیں۔ وہ سمجھ رہی تھی' اس عرصے میں نام نہاد مجازی خدا سے نجات حاصل کر کے اپنے محبوب کے پاس پہنچ جائے گی۔ مگر وہ اب تک زمرد خان کے ہاتھوں سے باپ کی کمزوریاں حاصل کرنے میں ناکام رہی تھی۔

عورت چٹان جیسے مرد کو اپنی محبت سے اور قربت سے پگھلا سکتی ہے۔ وہ بھی اس پتھر کو موم بنا کر اس کے بہت سے راز جان سکتی تھی۔ یہ معلومات حاصل کر سکتی تھی کہ وہ اپنی

اہم دستاویزات اور دیگر خفیہ ڈوکومینٹس کہاں چھپا کر رکھتا ہے؟ لیکن وہ ندی کے دو کنارے بنے ہوئے تھے۔ ایسے میں اس کے اندر کی باتیں معلوم کرنا ممکن نہیں تھا۔ یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ اسے کچھ کھو کر ہی کچھ پانا ہوگا۔ قربت ہوگی۔ راز و نیاز ہوں گے۔ وہ اس سے کھیلے گا۔ تب ہی وہ اپنا کھیل اس سے کھیل سکے گی۔

چار ماہ دس دنوں کے بعد اسے دوبارہ دلہن بنایا جارہا تھا۔ حویلی میں رونق میلہ لگا ہوا تھا۔ گانا بجانا' رقص و موسیقی اور کھیل تماشوں کے ذریعہ خوب دھوم دھام ہو رہی تھی۔

زمرد خان اسے پانے کے لئے بے چین تھا۔ اس نے خادماؤں کو حکم دے دیا تھا کہ دلہن کو شام کے فوراً بعد حجلۂ عروسی میں پہنچا دیا جائے۔

اس کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ وہ پھولوں بھری سیج پر بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ زمرد خان کے حوالے سے اس کا امتحان ختم ہو چکا تھا۔ لیکن وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ اصل امتحان تو اب شروع ہونے والا ہے۔ اس میدان سے وہ نراولاد حاصل کرنا چاہتا تھا اور وہ باپ کی نیک نامی....

تھوڑی دیر بعد ہی دروازے کے کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔ زمرد خان بڑے فاتحانہ انداز میں چلتا ہوا اس کے قریب ہی بیڈ کے سرے پر آ کر بیٹھ گیا۔ ماروی اپنا دامن ہاتھوں میں لیتے ہوئے ایک ذرا تن کر بولی۔ "اس دامن کی پاکیزگی کا یقین ہو گیا آپ کو....؟"

وہ دامن کو ہاتھوں میں لے کر جھکتے ہوئے اس کورے دامن کو چومتے ہوئے بولا۔ "تمہاری پارسائی کا یقین کرنے کے لئے ایک بہت ہی کڑے امتحان سے گزر رہا ہوں۔ اپنی ذات سے وابستہ ہونے والی ہر چیز کو کسوٹی پر پرکھنا میری فطرت ہے۔"

پھر وہ سائیڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی شراب کی بوتل اٹھا کر پیگ بناتے ہوئے بولا۔ "تم نے اس امتحان میں پورے پورے نمبر حاصل کئے ہیں۔ یہ ثابت کر دیا ہے کہ تم باہر سے ہی نہیں اندر سے بھی اُجلی ہو۔ آئینے کی طرح بے داغ ہو۔ اب اس آئینے میں صرف میری تصویر ہوگی..... صرف میری...."

یہ کہہ کر اس نے بڑے پیار سے اسے بازوؤں کے حصار میں لیا۔ پہلے کچھ دیر اسے

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

منہ لگایا پھر گلاس کو منہ لگا کر غٹا غٹ پینے لگا۔ پینے کا انداز بتا رہا تھا کہ شراب ہو یا شباب' وہ سبھی کو فٹافٹ تصرف میں لاتا ہے۔ وہ کبھی جام چھلکا رہا تھا' کبھی ماروی کو ہلکان کر رہا تھا۔ دونوں سے انصاف کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "شراب نہ ہو تو شباب میں رنگ نہیں بھرتا اور شباب نہ ہو تو شراب دو آتشہ نہیں بنتی۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔"

وہ ایک طرف پیگ پر پیگ بنا رہا تھا۔ دوسری طرف پہلو بہ پہلو ڈوب رہا تھا۔ نشہ کوئی سا بھی ہو وہ گراتا ضرور ہے۔ وہ بھی اُبھرتے اُبھرتے اوندھے منہ گرتا جا رہا تھا۔ بیڈ کے عین سامنے منی سینمائی وی آن تھا۔ اس کی بڑی سی اسکرین پر بے باک رقاصائیں عریاں اور نیم عریاں ملبوسات میں اپنے حسن کے جلوے دکھا رہی تھیں۔ لیکن زندہ حرارت بھرے جلوئے کے سامنے کسی اور نظارے کو دیکھنے کی فرصت نہیں مل رہی تھی۔

ایسے ہی وقت موبائل فون کے بزر نے اسے چونکا دیا۔ اس رنگین و سنگین تنہائی میں کوئی تیسرا بول پڑا تھا۔ وہ جھنجھلا کر اس سے الگ ہوتے ہوئے گالیاں بکنے لگا۔ "اس وقت یہ کون... مرنے آ گیا ہے؟"

وہ فون اٹھا کر نمبر پڑھنے لگا۔ اس کی ننھی سی اسکرین پر ایک بہت ہی خاص ماتحت کے نمبر دکھائی دے رہے تھے۔ لیکن نشے کی زیادتی کے باعث وہ پڑھ نہیں پا رہا تھا۔ اس نے ماروی کو فون دکھاتے ہوئے کہا۔ "نمبر پڑھو..."

اس نے نمبر پڑھے۔ وہ اسے آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے بولا۔ "ہاں... بولو! کیا بات ہے؟"

دوسری طرف سے ماتحت نے کہا۔ "سوری سر! میں آپ کو ڈسٹرب کر رہا ہوں۔ مگر بات ہی کچھ ایسی ہے کہ....."

وہ جھنجھلا کر بولا۔ "تمہید نہ باندھو۔ اصل بات کہو۔ کیا مسئلہ ہے؟"

"سر! وہ حیات محمد بہت اچھل رہا ہے۔ کھلی مخالفت پر اتر آیا ہے۔"

اس نے چونک کر پوچھا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"لگتا ہے سر! آپ کے دباؤ میں نہیں رہا ہے۔"

"دباؤ میں کیسے نہیں رہے گا؟ اس کے خلاف جو دستاویزات میرے پاس ہیں' وہ

اسے پھانسی کے تختے تک پہنچا سکتے ہیں۔ کیا وہ کتا اپنی کمزوریوں کو بھول رہا ہے؟"

وہ نشے میں لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے بول رہا تھا۔ ماروی بڑی توجہ سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔ "اس کے تیور بتا رہے ہیں' وہ اپنی کمزوریوں کو دور کر چکا ہے۔ میں نے یہی معلوم کرنے کے لئے آپ کو فون کیا ہے۔ آپ ان ڈاکومینٹس کو چیک کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں خفیہ طور پر غائب کرا لیا گیا ہو۔"

اس نے غائب کرانے والی بات پر ایک تگڑی سی گالی دی۔ پھر وہاں سے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "میں۔ میں ابھی دیکھتا ہوں۔ کس کی مجال ہے کہ مم۔ میرے سیف سے...."

وہ بستر سے اُتر کر ذرا لڑکھڑا گیا۔ خفیہ دستاویزات اور سیف کی باتیں سن کر ماروی تڑپ گئی تھی۔ فوراً ہی بیڈ سے اُتر کر اسے سہارا دینے لگی۔ وہ اس کے سہارے چلتا ہوا ڈگمگاتا ہوا سیف کے پاس آیا۔ لباس کے اندر سے چابیاں نکالنے لگا۔ ماروی نے چابیاں نکال کر سیف کھولنے میں اس کی مدد کی۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ پہلی ہی رات میں اس کی قربت اسے مطلوبہ منزل تک پہنچا دے گی۔

وہ سیف کھولنے کے بعد جھکا ہوا اندر فائلوں کو دیکھتے وقت ڈگمگا رہا تھا۔ پھر بیزار ہو کر بولا۔ "اِدھر آؤ۔ مجھ سے پڑھا نہیں جا رہا ہے۔ یہاں دیکھو حیات محمد کی فائل ہو گی۔"

اس کی تو جیسے مراد بر آئی تھی۔ اسے سیف کے اندر بہت کچھ دیکھنے کا موقع مل رہا تھا۔ وہاں کئی فائلوں کے علاوہ سی ڈیز' ویڈیو کیسٹس اور آڈیو کیسٹس بھی رکھے ہوئے تھے۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اس کے باپ کے خلاف آڈیو' ویڈیو کیسٹس اور دستاویزات بھی وہیں رکھی ہوں گی۔ پھر اس نے ایک ویڈیو کیسٹ پر پیر شاہ محمد کا نام پڑھا تو دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

دل نے کہا ابھی اس کیسٹ کو آگ لگا دے مگر عقل نے سمجھایا' ابھی ایسی غلطی کرے گی تو زمرد خان بھڑک جائے گا۔ اسے ثبوت ضائع نہیں کرنے دے گا۔ آئندہ اس سے محتاط رہے گا۔ دانش مندی یہی ہوتی کہ ابھی صبر کرتی۔ پھر کسی رات اسے خوب پلا کر اپنا مقصد حاصل کر سکتی تھی۔ وہ جھنجھلا کر بولا۔ "کیا اس کتے کی فائل نہیں مل رہا ہے؟"

وہ ایک فائل اُٹھا کر اسے دیتے ہوئے بولی۔ "یہ ہے حیات محمد کی فائل..."

وہ فوراً ہی فائل اس کے ہاتھ سے جھپٹ کر روشنی کی طرف گھوم کر اسے کھولنے اور

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

اندر کے کاغذات دیکھنے لگا۔ ایسے ہی وقت ماروی نے پیر شاہ محمد کا ویڈیو کیسٹ اُٹھا کر اپنے لباس میں چھپالیا۔ وہ پلٹ کر بولا۔ ''اس کتے کی تمام تصویریں ہیں۔ یہ اس کے ہاتھ کی تحریر پڑھی نہیں جارہی ہے۔ تم پڑھ کر سناؤ۔''

ماروی پڑھ کر سنانے لگی۔ حیات محمد نے اپنی تحریر کے ذریعہ ایک شخص کو قتل کرنے کا اعتراف کیا تھا۔ زمرد خان نے مطمئن ہو کر کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ فائل رکھو اور سیف بند کرو۔ کل میں اس کتے سے نمٹ لوں گا۔''

اس نے اپنے خاص ماتحت سے رابطہ کرتے ہوئے کہا۔ ''شیر کے منہ سے لقمہ چھین کر لے جانا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ اس کے خلاف تمام ثبوت یہاں موجود ہیں۔''

وہ ماروی کے سہارے چلتا ہوا پھر بیڈ پر آگیا۔ اس کے ماتحت نے پوچھا۔ ''اگر ایسی بات ہے تو پھر وہ اچانک ہی ہماری مخالفت پر کیوں اتر آیا ہے؟''

''یہ سمجھنا تمہارا کام ہے۔ اب میرا وقت برباد نہ کرو۔ جاؤ اور صبح سے پہلے پہلے معلوم کرو۔ وہ سالا چوہا اچانک شیر کے تیور کیوں دکھا رہا ہے؟''

یہ کہہ کر اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ فون کو سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر ایک پیگ بناتے ہوئے بولا۔ ''سالے موڈ کی ایسی کی تیسی ہو کر رہ گئی۔''

وہ حیات محمد کے خلاف بول رہا تھا اور پیگ بنا بنا کر پی رہا تھا۔ ماروی اسے اپنے ہاتھوں سے پلانے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ چاروں شانے چت ہو گیا۔ اپنے آپ سے اور ساری دنیا سے غافل ہو گیا۔

ماروی نے فوراً ہی وہاں سے اُٹھ کر اس ویڈیو کیسٹ کو وی سی آر میں لگایا پھر اس کا ساؤنڈ بند کر کے اسکرین پر دیکھنے لگی۔ جب یہ یقین ہو گیا کہ وہ پورا کیسٹ اس کے باپ سے تعلق رکھتا ہے تو اس نے اسے ریوائنڈ کیا۔ پھر اس کیسٹ میں جو کچھ تھا' ریکارڈنگ کا بٹن دبا کر اسے مٹانے لگی۔

یوں اس نے کامیابی کا ایک مرحلہ طے کر لیا۔ اب ایک آڈیو کیسٹ اور تحریری دستاویزات رہ گئی تھیں۔ اس نے زمرد خان کو دیکھا۔ وہ مدہوش پڑا تھا۔ ماروی آسانی سے اس کا سیف کھول سکتی تھی۔ اس ویڈیو کیسٹ کو بھی سیف میں واپس رکھنا ضروری تھا۔ ورنہ

وہ اسے کھولتا اور وہ کیسٹ اسے نہ ملتا تو آئندہ ماروی کی بنتی ہوئی بات بگڑ جاتی۔

وہ اس کے لباس کے اندر سے چابیاں نکالنے کے لئے قریب آئی۔ وہ اوندھا پڑا ہوا تھا اور چابیاں اس کے نیچے دبی ہوئی تھیں۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اسے تھام کر سیدھا کرنا چاہا۔ لیکن وہ ہاتھی کی طرح بھاری بھرکم تھا۔ وہ اسے ایک ذرا سا بھی ہلا نہ سکی۔ پریشان ہو کر انتظار کرنے لگی کہ وہ کسی وقت کروٹ لے گا؟

وہ انتظار ہی کرتی رہ گئی۔ شرابی مدہوشی کی نیند میں دوسرے دن آنکھ کھلنے تک ایک ہی حالت میں پڑے رہتے ہیں۔ اس نے اس ویڈیو کیسٹ کو فی الحال ایک الماری کے پیچھے قالین کے نیچے چھپادیا۔ صبح تک اس کے پاس اسی آس میں بیٹھی رہی کہ وہ کسی وقت کروٹ لینے والا ہے۔

صبح ہو گئی۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے کروٹ بدلنے لگا۔ ماروی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اس کے لباس کی ایک اندرونی جیب میں چابیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے بڑے محتاط انداز میں اپنا ہاتھ اُدھر بڑھایا۔ پھر یکبارگی چونک گئی۔ اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ یوں لگا جیسے زمرد خان اس کی مکاری پر چیخ پڑا ہو۔ جبکہ موبائل کا بزر چیخ رہا تھا۔ اس نے اپنے دھڑکتے ہوئے سینے پر ہاتھ رکھ کر اطمینان کی گہری سانس لی۔ کوئی خطرہ نہیں تھا۔

وہ سو رہا تھا۔ اگر موبائل خاموش ہو جاتا تو امید تھی کہ چابیاں ہاتھ لگ جاتیں۔ مگر وہ ضدی بچے کی طرح شور مچائے جا رہا تھا۔ آخر اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ جھنجلاتے ہوئے بڑبڑانے لگا۔ ''کون ہے گدھے کا بچہ...؟ یہ موبائل فون بھی ایک مصیبت ہے۔''

اس نے فون کو آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے پھر دھاڑتے ہوئے پوچھا۔ ''کون ہے...؟'' حیات محمد کی ہنستی ہوئی آواز سنائی دی۔ ''خبر ملی ہے کہ آج آپ سہاگ رات منا رہے ہیں اور شاید منا چکے ہیں۔ میں نے رنگ میں بھنگ ڈالنے میں دیر کر دی۔''

اس کی آواز سن کر وہ غراتے ہوئے اُٹھ کر بیٹھ گیا پھر بولا۔ ''کیا تو بھول گیا ہے کہ میں تجھے پھانسی کے پھندے تک پہنچا سکتا ہوں؟''

''تم نے تو مجھے کمزور بنائے رکھنے کی بڑی زبردست سازش کی ہوئی تھی۔ مگر یہ

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

بھول گئے تھے کہ کبھی کبھی صیاد بھی اپنے دام میں آجاتا ہے۔ تمہاری جو کمزوری میرے ہاتھ لگی ہے۔ میں اس کے عوض' اپنی تحریر اور تصویریں واپس لینا چاہوں گا۔"

وہ بڑے اعتماد سے بڑے ہی ٹھوس لہجے میں بول رہا تھا۔ ایسے وقت شراب کا نشہ ہرن ہوگیا تھا۔ وہ ایک ذرا الجھ کر بولا۔ "میری کون سی کمزوری ہوسکتی ہے؟ شِٹ... میں کوئی کچا کھلاڑی نہیں ہوں"

"کچے نہیں تھے۔ مگر اب ہو جاؤ گے۔"

"آخر وہ کمزوری ہے کیا...؟"

"اس وقت تمہاری ایک بیٹی میری قید میں ہے۔ ایک غیرت مند باپ کے لئے یہ شرم سے ڈوب مرنے کی بات ہوگی کہ اس کی بیٹی کو اغوا کیا جائے اور اس کے ساتھ اجتماعی زیادتی کی جائے۔ اگر عزت آبرو سے اس کی واپسی چاہتے ہو تو میری تمام کمزوریاں میرے حوالے کرو اور اپنی کمزوری یہاں سے لے جاؤ۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی زمرد خان نے ایک زوردار قہقہہ لگا کر کہا۔ "میں نے تین بیویوں کو بیٹی پیدا کرنے کے جرم میں طلاق دی ہے۔ ابے اُلو کے پٹھے.....! جن بیٹیوں کو کھوٹا سکہ کہہ کر پھینک دیا تو ان کے ذریعہ مجھے بلیک میل کر رہا ہے؟ جا... وہ میری جتنی مطلقہ بیویاں ہیں نا' انہیں بھی اُٹھا کر لے جا... کتے۔ کمینے اب دیکھ تیرا انجام کیا ہونے والا ہے؟"

اس نے رابطہ ختم کر کے ماروی کو دیکھا پھر حیرانی سے پوچھا۔ "تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟"

وہ اس کے جاگنے سے مایوس ہوگئی تھی۔ دل برداشتہ ہو کر بولی۔ "مجھے نیند نہیں آرہی ہے۔"

وہ اسے کھینچ کر بازوؤں میں بھرتے ہوئے بولا۔ "شراب کا نشہ تو ہرن ہو چکا ہے۔ آؤ۔ تم چھلک رہی ہو۔ یہ جام خالی کردوں تو تمہیں نیند آجائے گی۔"

وہ پھر حالات کے دھارے میں بہہ گئی۔

☆☆☆

شہر کی چند نیوز ایجنسیاں اگر بانو ثمینہ کی حمایت میں لکھ رہی تھیں تو دوسرے اخبارات والے برسراقتدار پارٹی کی چھپر چھایہ میں رہ کر ایسی خبروں کی تردید کر رہے تھے۔ اس پر نت نئے توہین آمیز الزامات کی بوچھاڑ شروع ہوگئی تھی۔ چار ماہ کا عرصہ گزر جانے کے باوجود اس کا معاملہ عدالت تک نہیں پہنچ پایا تھا۔ ایسے میں بانو ثمینہ کے اعصاب جواب دینے لگے تھے۔ میڈیا والے خواہ اس کی حمایت میں بولیں یا مخالفت میں' وہ دونوں صورتوں میں بدنام ہو رہی تھی۔

وہ ملک سکندر حیات کے سامنے کھل کر اعتراض نہیں کر رہی تھی۔ دبی زبان سے کچھ نہ کچھ کہہ کر چپ ہو جاتی تھی۔ یہ دیکھ رہی تھی کہ ملک اس کی بھرپور حمایت کر رہا تھا۔ کیس لڑنے کے سلسلے میں شہر کے نامی گرامی وکیل حضرات سے رابطے کر رہا تھا۔ اس نے اپنے دن رات اسی کے لئے وقف کر دیئے تھے۔ اس کی خاطر اچھی خاصی رقمیں خرچ کر رہا تھا اور آئندہ بھی نہ جانے اس کیس میں کتنی دولت پانی کی طرح بہانے والا تھا؟ وہ اپنے محسن کی مصروفیات دیکھ کر دل ہی دل میں اس کی احسان مند ہوتی رہتی تھی۔

ملک بڑی شطرنجی چالیں چل رہا تھا۔ احسانات کی آڑ میں رہ کر اپنے مفادات کی خاطر بانو ثمینہ کو مہرہ بنائے رکھنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔ "میں تمہاری الجھنوں کو سمجھ رہا ہوں۔ مگر برسراقتدار پارٹی کے خلاف کیس دائر کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ انصاف حاصل کرنے کے لئے تمہیں صبر آزما حالات سے گزرنا ہی پڑے گا۔"

بانو ثمینہ نے ایک ذرا مایوسی سے اسے دیکھا۔ وہ اس کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے بولا۔ "اللہ دسائے جیسے اونٹ کو پہاڑ تلے لانے کے لئے وقت تو لگے گا ہی... میں یہ جنگ صرف ایک معصوم لڑکی کو انصاف دلوانے کے لئے لڑ رہا ہوں۔ ایسے وقت اپنی تمام تر مصروفیات کو بھی پس پشت ڈال دیا ہے۔ تمہیں مایوس ہو کر میری محنت پر پانی نہیں پھیرنا ہے۔"

وہ ایسے ہمدردانہ اور مشفقانہ لہجے میں بولتا تھا کہ بانو ثمینہ مزید اس کے احسانات تلے دبی چلی جاتی تھی۔ اسے اپنا ہمدرد اور محسن مانتے ہوئے اس کے آگے سرِ تسلیم خم کرتی چلی جا رہی تھی۔ یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا۔ مگر ایسے ہی وقت ایک نئی پریشانی سر ابھارنے لگی۔

وہ مہینے کے مخصوص ایام کا انتظار کر رہی تھی لیکن جب ایک کے بعد دوسرا مہینہ بھی

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

بڑی خاموشی سے گزرتا چلا گیا تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ اس کے اندر خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگی تھیں۔ اگرچہ کبھی کبھی ماہواری کی بے قاعدگی ہو جایا کرتی ہے۔ لیکن وہ جن حالات سے گزر رہی تھی' ان میں ایسی بے قاعدگی اس کی زندگی کو بے قاعدہ کر سکتی تھی۔

وہ جلد از جلد اس پریشانی نجات حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اس نے ایک ذرا ہچکچاتے ہوئے ملک سے کہا۔ ''م.... میں کسی لیڈی ڈاکٹر سے کنسلٹ کرنا چاہتی ہوں۔''

وہ اس کی بات سن کر چونک گیا۔ پریشانی ظاہر کرتے ہوئے بولا۔ ''تمہیں تکلیف کیا ہے...؟''

وہ سر جھکا کر بولی۔ ''میں آپ کو نہیں بتا سکتی۔''

ملک نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ بات کچھ سمجھ میں آ گئی تھی۔ اس نے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ میں آج شام ہی ایک ماہر لیڈی ڈاکٹر کو بلاتا ہوں۔''

اس نے بانو ثمینہ کے سامنے پریشانی ظاہر کی تھی۔ لیکن دل ہی دل میں یہ سوچ کر خوش ہو رہا تھا کہ ثمینہ کے پاؤں بھاری ہو گئے تو کیس لڑنے کا مزہ آ جائے گا۔ اللہ وسائے کو دن میں تارے نظر آنے لگیں گے۔

اس کا شاطر دماغ بدلتے ہوئے حالات کے مطابق بڑی تیزی سے سوچنے لگا۔ ''اگر بانو ثمینہ کا اندیشہ درست ثابت ہوا تو اس کا پھولا ہوا پیٹ ان مخالفین کے خلاف کھلی کتاب بن جائے گا۔ وہ ننھا فریادی دنیا میں آنے سے پہلے ہی اپنی ماں کی حمایت میں بولے گا۔ کوئی اس کھلے ثبوت کو جھٹلا نہیں سکے گا۔ میں چل وسائے کے گناہ اور درندگی کے اس نشان کو ہرگز مٹنے نہیں دوں گا۔''

بانو ثمینہ سے زیادہ وہ بے چین ہو گیا تھا۔ جلد از جلد اس اندیشے کی تصدیق کرانا چاہتا تھا۔ شام کے وقت اس نے ایک رازدار لیڈی ڈاکٹر کو بلا کر کہا۔ ''تمہیں جس لڑکی کے معائنے کے لئے بلایا گیا ہے۔ اس کی خبریں آج کل اخبارات کے لئے ہاٹ کیک بنی ہوئی ہیں۔''

پھر وہ اس کی ہتھیلی پر ہزار ہزار کے کئی نوٹ رکھتے ہوئے بولا۔ ''میں چاہتا ہوں' یہ کیک ہاٹ ہی رہے۔ تم بظاہر اس کا علاج کرتی رہو گی۔ اسے اس پریشانی سے نجات دلانے کا یقین دلاتی رہو گی۔ لیکن در پردہ وہی ہوتا رہے گا' جو میں چاہوں گا۔''

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

وہ ان نوٹوں کو گننے کے بعد بولی۔ ''یعنی آپ چاہتے ہیں کہ پاؤں بھاری ہوں تو اسے اس بھاری بوجھ سے نجات نہ دلائی جائے؟''

وہ مسکرا کر بولا۔ ''تم علاج کے پروسس کو اتنا طول دو کہ اس کے پاس ماں بننے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے۔''

وہ مسکرا کر ان نوٹوں کو اپنے پرس میں ٹھونستے ہوئے بولی۔ ''لوگ اپنے گناہوں کو دھلوانے کے لئے روپیہ پانی کی طرح بہاتے ہیں۔ آج پہلی بار ایسا کیس ڈیل کر رہی ہوں' جس میں ایک ننھی سی جان کو بچانے کا معاہدہ کیا جا رہا ہے۔ پتہ نہیں' یہ عمل میرے گناہوں کے کھاتے میں جائے گا یا ثواب کے...؟''

پھر وہ ہنستی ہوئی بانو ثمینہ کے کمرے میں آ گئی۔ اس کا مکمل چیک اپ کرنے کے بعد بولی۔ ''میں چند دوائیں تجویز کر رہی ہوں۔ انہیں باقاعدگی سے لیتی رہو۔ ایک ہفتے بعد دوبارہ معائنہ کرنے آؤں گی۔''

پھر وہ لیٹر پیڈ پر نسخہ لکھنے لگی۔ بانو ثمینہ نے بے چین ہو کر پوچھا۔ ''کچھ تو بتائیں ڈاکٹر...! کیا میرا اندیشہ درست ہے؟''

وہ اسے تھپک کر بولی۔ ''ارے نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اسے پیریڈ کی خرابی کہہ سکتے ہیں۔ تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہئے۔''

''پریشانی کی تو بات ہے۔ آپ شائد میرے حالات نہیں جانتی ہیں؟''

وہ مسکرا کر بولی۔ ''تمہارے حالات جاننے کے لئے ہی یہ دوائیں لکھی ہیں۔ ایک ہفتے بعد دیکھوں گی۔ اگر کوئی فرق نہ پڑا تو پھر ایک ٹیسٹ کرایا جائے گا۔''

وہ اسے تسلی دے کر چلی آئی۔ ڈرائنگ روم میں ملک اس کا منتظر تھا۔ اسے دیکھتے ہی بولا۔ ''ویل ڈاکٹر! کیا خبر ہے؟''

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ''خبر تو آپ کے حق میں ہے۔ دوسرے مہینے کی تاریخ گزر چکی ہے۔ عموماً تین ماہ کے بعد کوئی ڈاکٹر واشنگ کا مشورہ نہیں دیتی۔ میں اور ایک ماہ تک ٹالتی رہوں گی۔ اسے آپ کے مطلوبہ حالات تک پہنچا دوں گی۔''

ملک حساب کتاب میں ماہر تھا۔ اس نے دماغ کے کیلکولیٹر سے فوراً ہی یہ

حساب نکال لیا کہ بانو ثمینہ جب ماں بننے کے مرحلے پر پہنچے گی' تب الیکشن کی گہما گہمی شروع ہو جائے گی۔ ایسے میں اس معاملے کو مزید اچھالا جائے گا۔ یہ نو ماہ کا عرصہ اللہ وسائے اور اس کی پارٹی کو کمزور بنانے کے لئے بہت اہم ہوگا۔

دوسری طرف بانو ثمینہ کی پریشانیاں بڑھتی جارہی تھیں۔ ایک ماہ بعد لیڈی ڈاکٹر نے اسے الزام دیا۔ ''تم دوائیں باقاعدگی سے استعمال نہیں کرتی رہی ہو۔ مہینے کی مخصوص تاریخ بھی صحیح نہیں بتائی تھی۔ یہ تو تین ماہ کا حمل ہو چکا ہے۔''

یہ سنتے ہی ثمینہ چیخ پڑی۔ اپنی صفائی میں کہنے لگی کہ اس نے دوائیں استعمال کرنے میں کوتاہی نہیں کی تھی۔ تاریخ بھی درست بتائی تھی۔ لیکن اب بحث کرنے اور احتجاج کرنے سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں تھا۔ وہ اس مرحلہ پر پہنچ گئی تھی کہ کوئی ڈاکٹر اس کی زندگی کو خطرے میں ڈال کر حمل کو واش کرنے پر راضی نہ ہوتا۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

☆☆☆

بیگم شاہ کے پیروں تلے جیسے انگارے بچھے ہوئے تھے۔ وہ کسی ایک جگہ ٹھہر نہیں رہی تھی۔ غصے میں جھنجلاتی ہوئی کبھی اِدھر سے اُدھر جارہی تھی اور کبھی اُدھر سے اِدھر آرہی تھی۔ پیر شاہ محمد ایک صوفے پر سر پکڑے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ''ہم نے بیٹی کو زمرد خان کے ہاتھوں فروخت نہیں کیا ہے۔ نکاح پڑھا کر عزت آبرو سے رخصت کیا تھا۔ لیکن وہ تو اُس معصوم کے ساتھ ایسا سلوک کر رہا ہے' جیسے یہاں سے خرید کر لے گیا ہو اور آپ تو ایسے بے بس اور مجبور ہو گئے ہیں کہ اُس کم بخت کے خلاف کچھ بول بھی نہیں پا رہے ہیں۔''

اس نے کہا۔ ''جب میری بے بسی اور مجبوریوں کو سمجھ رہی ہو تو کیوں اس طرح جھنجلا رہی ہو؟''

''کیوں نہ جھنجلاؤں....؟ بیٹی کی حالت دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ وہ داماد بن کر ہمیں جوتے مار رہا ہے۔''

وہ قریب آ کر ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''پہلے تو اس نے چار مہینوں تک میری بچی کو حبسِ بے جا میں رکھا۔ میکے والوں سے بھی ملنے کی اجازت نہیں دی۔ میں ماں ہوں۔ اس لئے اُس نے مجھ سے تھوڑی سی رعایت کی۔ ہفتے میں ایک بار بیٹی سے ملاقات

کی اجازت دے دی۔ وہ بھی صرف آدھے گھنٹے کے لئے....اور اس آدھے گھنٹے میں ایک بوڑھی ملازمہ ہم ماں بیٹی کے سر پر سوار رہتی تھی۔ ماروی اس کی موجودگی میں اپنا دکھڑا نہیں سنا سکتی تھی۔ آپ اس بات پر تو اعتراض کر سکتے تھے کہ اُسے یوں قیدی بنا کر نہ رکھا جائے۔''

وہ بولا۔ ''بیگم...! سمجھا کرو۔ وہ شوہر ہے۔ اگر اپنا شک وشبہ دور کرنے کے لئے بیوی کو چار ماہ تک عدت کے ایام گزارنے کا حکم دیتا ہے تو ہمیں اُن میاں بیوی کے ذاتی معاملات میں بولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ بہرحال جو ہونا تھا' وہ ہو چکا...چار ماہ گزر چکے ہیں۔ اب سنا ہے' اسے ایک کمرے میں مقید نہیں رکھا جاتا ہے۔ وہ پوری حویلی میں گھومتی پھرتی ہے۔''

بیگم شاہ نے غصے سے تڑخ کر کہا۔ ''اُس نے دکھاوے کی آزادی دی ہے۔ ماروی کو آج بھی حویلی سے باہر قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہم ماں باپ اُس سے ملنے وہاں جا سکتے ہیں۔ وہ یہاں اپنے میکے نہیں آسکتی۔ ملاقات کی اجازت بھی صرف ہمیں دی گئی ہے۔ ہمارے خاندان کا کوئی دوسرا فرد ماروی سے ملنے وہاں نہیں جا سکتا۔''

''وہ کم بخت شکی مزاج ہے۔ اپنی عادت سے مجبور ہے۔ لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوگا۔ دعا کرو کہ جلد ہی بیٹی کے پاؤں بھاری ہو جائیں۔ وہ ایک بیٹے کو جنم دے اور اس سے نجات حاصل کر کے یہاں چلی آئے۔''

''میں کل ہی اُس سے ملنے جاؤں گی اور معلوم کروں گی کہ وہ کن حالات سے گزر رہی ہے؟''

''جاؤ گی اور پھر جھنجلاتی ہوئی واپس آؤ گی کہ دل بھر کر بیٹی سے باتیں نہیں ہو سکیں۔ جیسے ایک قیدی سے ملنے کی اجازت دی جاتی ہے' اُسی طرح تمہیں آدھے گھنٹے میں وہاں سے واپس آنا پڑتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ریسیور اٹھاؤ اور اُس سے فون پر باتیں کرو۔ کچھ تو تمہارے دل کو تسلی ہوگی۔''

بیگم شاہ نے فون کی طرف دیکھا۔ پھر ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کرنے لگی۔ شام ہو چکی تھی۔ ماروی زمرد خان کے ساتھ بیڈروم میں بیٹھی ہوئی تھی۔ فون کی گھنٹی سن کر زمرد خان سی ایل آئی پر نمبر پڑھنے لگا۔ پھر بولا۔ ''تمہارے میکے سے کال کی جا رہی ہے۔''

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

یہ کہہ کر اس نے وائڈ اسپیکر کا بٹن دبا دیا۔ بیگم شاہ کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو... ماروی! کیا تم اٹینڈ کر رہی ہو؟"

وہ بولی۔ "جی امی...! میں بول رہی ہوں۔"

"کیا تنہا ہو...؟"

ماروی نے زمرد خان کو دیکھا۔ وہ بڑے فاتحانہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "آپ نے اور بابا سائیں نے مجھے یہاں تنہا رہنے کے لئے نہیں بھیجا ہے۔ جس کے حوالے کیا ہے' دن رات اُسی کے ساتھ رہتی ہوں۔ پہلے بھی کہہ چکی ہوں' آپ میری فکر نہ کیا کریں۔ فی الحال میں یہاں مطمئن ہوں اور بڑے آرام سے زندگی گزار رہی ہوں۔ آئندہ جو ہوگا' دیکھا جائے گا۔"

"تم تو ہمیشہ یہی کہتی ہو کہ بڑے آرام سے ہو۔ لیکن ماں کا دل نہیں مانتا۔"

"جب مجھے یہاں پہنچانے کے لئے ماں باپ کا دل مان گیا تھا تو اب بھی مان جائیں کہ میں جیسی بھی ہوں' زندہ سلامت ہوں۔ کسی پھینکی ہوئی چیز کے متعلق سوچنا بھی نہیں چاہئے کہ اُس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟"

"ماروی...! میری جان...! یہ کیا بول رہی ہو؟ جبکہ اچھی طرح جانتی ہو کہ ہم نے جو کیا۔ بہت مجبور ہو کر کیا۔ تم کوئی پھینکی ہوئی چیز نہیں ہو۔ ماں کو اس طرح طعنے تو نہ دو۔"

"آپ میری فکر کرتی ہیں تو ایسا لگتا ہے' زخم دے کر مرہم لگا رہی ہیں۔ آپ کی یہ ہمدردیاں مجھے تکلیف پہنچانے لگی ہیں۔ اگرچہ میں بابا سائیں کی خاطر قربانی دے رہی ہوں۔ پھر بھی جن حالات سے گزر رہی ہوں۔ ایسے میں یہی لگتا ہے کہ مجھے اٹھا کر پھینک دیا گیا ہے۔ اگر میں بدمزاج ہو گئی ہوں اور طعنے دیتی ہوں تو کیوں دیتی ہوں؟ مجھے ایسا کس نے بنا دیا ہے؟"

فون پر دس منٹ سے زیادہ بات کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ لہٰذا مقررہ وقت پورا ہوتے ہی زمرد خان نے رابطہ منقطع کر دیا۔ مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں دیکھ رہا ہوں' تم اپنے والدین سے بدظن ہوتی جا رہی ہو۔ یہ میرے لئے اچھا ہے۔ میں چاہتا ہوں' تم مجھے پسند کرو۔ مجھ سے محبت کرو۔ مجھ پر اعتماد کرو۔ میں سچ کہتا ہوں' زندگی میں پہلی بار اگر کسی عورت

نے مجھے متاثر کیا ہے تو وہ تم ہو۔"

وہ بولی۔ "ایک خالص سیاستدان کے زبان سے محبت اور لگاوٹ کی باتیں عجیب سی لگتی ہیں۔"

"پچل بھی سیاستدان ہے۔ وہ بھی تم سے محبت اور لگاوٹ کی باتیں کرتا رہا ہوگا۔ ویسے تم نے اپنی پارسائی ثابت کر کے میرا دل جیت لیا ہے۔"

ماروی نے پوچھا۔ "کیا آپ یہ باتیں دل سے کہہ رہے ہیں؟"

"میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر سچ کہہ رہا ہوں۔ جب تم ایک بیٹا پیدا کر کے میرے حوالے کرو گی تو معاہدے کے مطابق تمہیں طلاق دینی ہوگی۔ خدا گواہ ہے' اب میں وہ معاہدہ کرنے والا سیاستدان نہیں رہا۔ جہاں تک تمہاری ذات کا تعلق ہے' تم سے جدا نہیں ہونا چاہتا۔ اگر بیٹا پیدا کرنے کے بعد بھی تم میرے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنا چاہو تو میں تمہیں سرآنکھوں پر بٹھاؤں گا۔ مہارانی بنا کر رکھوں گا۔ یہ تمام پابندیاں ختم کر دوں گا۔"

وہ بول رہا تھا اور ایسے وقت پچل اس کے حواس پر چھایا ہوا تھا۔ وہ اُس کے بازوؤں میں پہنچ کر گم ہو رہی تھی۔ زمرد خان نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک گئی۔ اس نے پوچھا۔ "کیا سوچ رہی ہو؟"

"وہ۔ یہ۔ یہ سوچ رہی تھی کہ آپ بہت اچھے ہیں۔ میری قدر کر رہے ہیں۔ مجھے ہمیشہ اپنی شریک حیات بنائے رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن جو معاہدہ ہو چکا ہے' اُس پر تو عمل کرنا ہی ہوگا۔"

"اگر چاہو تو کوئی تم پر جبر نہیں کر سکے گا۔ پوری آزادی اور خودمختاری سے بیٹا پیدا کرنے کے بعد بھی تم میرے ساتھ ساری زندگی گزارنے کا فیصلہ سنا سکتی ہو۔"

وہ بولی۔ "میں شاید قربانیاں دینے کے لئے پیدا ہوئی ہوں۔ بابا سائیں کی خاطر قربان ہونے یہاں آئی ہوں۔ محبت سے نہیں لائی گئی ہوں۔ اپنے پیچھے ایک چاہنے والے کو چھوڑ کر آئی ہوں اور اب آپ بڑی شدت سے اپنی محبت کا اظہار کر رہے ہیں۔ میری زندگی میں الجھنیں ہی الجھنیں پیدا ہو رہی ہیں۔ میں نہیں جانتی' آئندہ کیا ہونے والا ہے؟"

وہ اس بات پر بھی الجھی ہوئی تھی کہ سہاگ کی پہلی رات کے بعد سے اب تک

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

سیف کے اندر خفیہ دستاویزات تک پہنچنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ زمرد خان کچھ اس طرح معروف ہو گیا تھا کہ دن کو تو اس کے ساتھ تنہائی میں وقت گزارتا تھا مگر شام ہوتے ہی کہیں چلا جاتا تھا۔ کبھی آدھی رات کے بعد آتا تھا یا کبھی صبح آتا تھا۔ ایسے وقت پینے پلانے کا سلسلہ نہیں رہتا تھا۔ وہ شام کے بعد جہاں جاتا تھا' وہیں پینے کا شوق پورا کر لیا کرتا تھا۔

اس نے ایک عرصے کے بعد کہا تھا۔ ''آج تمہارے ساتھ رات گزاروں گا۔ مجھے وہ پہلی رات یاد ہے۔ تم نے تو مجھے مست کر دیا تھا۔ آج بھی مستی میں ڈوب جانا چاہتا ہوں۔''

اُس نے پینے کے لئے بڑا اہتمام کیا تھا۔ شراب کی بھری ہوئی بوتل' گلاس' آئس کیوبز' شامی کباب' سیخ کباب اور چرغہ سب ہی کچھ ایک میز پر سجا ہوا تھا اور اُس نے پینا شروع کر دیا تھا۔

وہ دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کر رہی تھی کہ آج اسے سیف تک پہنچنے کا موقع ملے گا اور وہ اپنے باپ کے خلاف تمام ثبوت ضائع کر سکے گی۔ وہ پی رہا تھا اور وہ پیگ بنا بنا کر اُسے پلا رہی تھی۔ اُس کے پینے کا انداز کچھ بدل گیا تھا۔ سہاگ کی پہلی رات وہ بڑی برق رفتاری سے پیتا رہا تھا۔ لیکن آج ٹھہر ٹھہر کر پی رہا تھا۔ اس لئے نشہ بھی ٹھہر ٹھہر کر غالب آ رہا تھا۔

اچھا خاصا وقت گزرنے کے بعد وہ ذرا مستی میں جھومنے لگا۔ بولتے وقت زبان بھی لڑکھڑانے لگی۔ ماروی نے سمجھ لیا کہ اور ایک آدھ گلاس پینے کے بعد وہ مدہوش ہو جائے گا۔

اُس نے لڑکھڑاتے لہجے میں کہا۔ ''تم مجھے پلا رہی ہو۔ تمہیں بھی کچھ کھانا پینا چاہئے۔''

وہ بولی۔ ''مجھے بھوک نہیں ہے۔ شام سے ہی طبیعت کچھ بوجھل سی ہے۔ میں بعد میں کھا لوں گی۔''

لیکن اس نے زبردستی کی۔ ''مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں اکیلے ہی شغل کرتا رہوں۔ تمہیں کچھ تو کھانا پینا چاہئے۔''

اس نے سیخ کباب کی پلیٹ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اسے ذرا چکھو... بڑے ہی لذیذ ہیں۔''

اب تھوڑی دیر کی بات تھی۔ نشہ اُس پر مسلط ہونے والا تھا۔ ماروی نے اُس کی بات مان لی۔ کھانے میں اس کا ساتھ دینے لگی۔ لیکن دو چار لقموں کے بعد ہی سینے کے اندر بوجھ محسوس ہونے لگا۔ طبیعت متلانے لگی۔ متلی کا احساس ہوتے ہی وہ تیزی سے اٹھ کر واش روم میں آ گئی۔ پھر واش بیسن پر جھکتے ہی اُبکائیاں سی آنے لگیں۔ ''اونک.....اونک...'' کی آواز کے ساتھ لسدار پانی نکل رہا تھا مگر قے نہیں ہو رہی تھی۔ چہرہ ایکدم سے زرد پڑ گیا تھا۔ ذرا سی دیر میں پسینے سے تر بہ تر ہو گئی تھی۔

زمرد خان ذرا لڑکھڑاتا ہوا وہاں آ کر اس کی پیٹھ سہلانے لگا۔ پھر اسے سہارا دے کر کمرے میں لے آیا۔ وہ بالکل نڈھال سی ہو گئی تھی۔ بیڈ پر آتے ہی چاروں شانے چت لیٹ گئی۔ گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ زمرد خان پر اگرچہ نشہ طاری ہو رہا تھا لیکن وہ ہوش سے بیگانہ نہیں تھا۔ اُس نے فون کے ذریعہ لیڈی ڈاکٹر سے رابطہ کیا۔ پھر اُسے فوراً ہی حویلی میں آنے کو کہا۔

ماروی کا سر چکرا رہا تھا۔ ایسے وقت وہ سوچ رہی تھی۔ ''یا خدا.....! یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ آج یہ مدہوش ہونے والا تھا۔ میں آسانی سے سیف کھول سکتی تھی۔ بابا سائیں کے من کی مراد پوری ہونے والی تھی۔ مگر یہ کیسی رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے؟ مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ اٹھ کر بیٹھ سکوں اور زمرد خان کو زیادہ سے زیادہ پلا سکوں۔''

تھوڑی دیر بعد ہی لیڈی ڈاکٹر آ گئی۔ اس نے معائنہ کرنے کے بعد مسکراتے ہوئے کہا۔ ''بہت بڑی خوشخبری ہے۔ آپ باپ بننے والے ہیں۔''

زمرد خان خوشی سے اچھل پڑا۔ اس نے نوٹوں کی ایک چھوٹی سی گڈی لیڈی ڈاکٹر کو دیتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا یہ بتا سکتی ہیں کہ بیٹا ہو گا یا بیٹی...؟''

وہ بولی۔ ''ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ تین یا چار ماہ بعد الٹرا ساؤنڈ کے ذریعہ معلوم ہو گا کہ بیٹا ہونے والا ہے یا بیٹی.....؟''

لیڈی ڈاکٹر کچھ دوائیں تجویز کر کے چلی گئی۔ وہ اس کے پاس آ کر اسے چومتے ہوئے بولا۔ ''بیٹا ہو گا.....ضرور بیٹا ہو گا.....آج سے میں دن رات تمہارا خیال رکھوں گا۔ خواہ مخواہ ضرورت سے زیادہ پی لیتا ہوں۔ مدہوش ہو جاتا ہوں۔ آئندہ تمہاری خاطر ہوش میں

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

رہا کروں گا۔"

وہ بول رہا تھا اور وہ آنکھیں بند کیے پڑی ہوئی تھی۔ بے حد کمزوری محسوس کر رہی تھی۔ یہ سوچ کر عجیب سا لگ رہا تھا کہ اس کے اندر ایک ننھا منا سا بچہ آ کر دستک دے رہا ہے اور وہ بچہ اس کا اپنا ہے' اُس کے خون میں پرورش پانے والا ہے۔ اس کے سینے میں دودھ بھرنے والا ہے اور وہ اپنے بچے کو دودھ پلانے والی ہے۔ یہ سوچتے وقت اُس بچے کے لئے ایسی کشش محسوس ہو رہی تھی کہ اُن لمحات میں وہ ساری دنیا کو بھول گئی تھی۔ ایک بیج پڑتے ہی پہلی بار ممتا انگڑائی لے کر بیدار ہو رہی تھی۔

وہ رات گزر گئی۔ پھر دن بھی ایک کے بعد ایک گزرنے لگے۔ ہر روز' ہر لمحے میں وہ بچہ اس کے حواس پر چھا رہا تھا۔ ایسے میں وہ ماں باپ کو بھی بھول گئی تھی۔ یہ بھی بھول گئی تھی کہ باپ کی کمزوریاں زمرد خان کے سیف میں ہیں اور وہاں سے انہیں حاصل کرنا ہے۔

وہ جب تنہا ہوتی تو خلاء میں تکتی رہتی۔ بے اختیار اپنا ہاتھ پیٹ پر یوں رکھ لیتی' جیسے اپنے اندر آنکھ مچولی کھیلنے والے بچے کو ڈھونڈ رہی ہو۔ اُن دنوں بچل بھی یاد نہیں آ رہا تھا۔ وہ بچہ اُس کے اندر انقلابی تبدیلیاں پیدا کر رہا تھا۔ وہ ایک محبوبہ کے بجائے ماں بن کر سوچنے لگی تھی اور یوں سوچتے رہنے میں اس کے ارادے کو دخل نہیں تھا۔ وہ بے اختیار اُس ننھے سے وجود سے وابستہ ہوتی جا رہی تھی۔

چار ماہ بعد الٹرا ساؤنڈ کی رپورٹ نے بتایا' بیٹا ہونے والا ہے۔ زمرد خان تو جیسے خوشی سے پاگل ہو گیا۔ ماروی کو بازوؤں میں اٹھا کر ناچنے لگا۔ اس نے حکم دیا کہ حویلی میں کئی روز تک جشن منایا جائے۔ دن کو ڈھول باجے بجتے رہیں اور رات کو آتش بازی کے نظارے ہوں۔ شہر سے مشہور و معروف مہنگی رقاصاؤں کو بلایا جائے اور ہنسنے ہنسانے کے لئے مسخروں کا بھی پروگرام رکھا جائے۔ اس کے حکم سے غریبوں اور محتاجوں کے لئے لنگر کھول دیئے گئے۔

ماروی اُس کی دیوانگی دیکھ رہی تھی اور دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی۔ ایسے وقت وہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ کیونکہ اُس کے بچے کے لئے خوشیاں منا رہا تھا۔ ایک کہاوت ہے کہ مستی میں ناچتے ہوئے مور کو جب اپنے بھدے پاؤں نظر آتے ہیں تو وہ تمام مسرتیں بھول کر مایوس ہو جاتا ہے۔ ماروی کو مسرتوں کے ہجوم میں پہلی بار یاد آیا کہ بچہ تو زمرد خان

لے لے گا اور وہ خالی ہاتھ میکے واپس جائے گی۔

وہ ایکدم سے تڑپ گئی۔ اس کے اندر ممتا چیخنے لگی۔ "نہیں۔ نہیں۔ میں اپنا بچہ کسی کو نہیں دوں گی۔ اُس کے باپ کو بھی نہیں دوں گی۔"

مگر کیسے نہیں دے گی؟ پہلے ہی معاہدہ ہو چکا تھا کہ وہ ایک بیٹا پیدا کر کے اسے زمرد خان کے حوالے کرے گی۔ تب ہی وہ طلاق دے کر اُسے میکے جانے دے گا اور وہ آزادی سے اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارے گی۔

لیکن اب تو ایک ماں کی مرضی یہی تھی کہ بچے کے ساتھ جینا ہے' بچے کے ساتھ مرنا ہے۔ اس سے مرتے دم تک جدا نہیں ہونا ہے۔

بے شک۔ اس میں انقلابی تبدیلیاں پیدا ہو رہی تھیں۔ اب وہ ایک ماں.... صرف ایک ماں بن کر سوچ رہی تھی۔ اپنے بچے سے زیادہ اس کے لئے دنیا میں کوئی اہم نہیں رہا تھا۔ زمرد خان نے کہا۔ "میں چاہتا ہوں' میرا یہ بیٹا تمہارے جانے کے بعد کسی دائی سے یا فیڈر سے دودھ نہ پیئے۔ کیا تم نہیں چاہو گی کہ اسے صرف تمہارا دودھ ملے....؟"

وہ اس سوال پر تصور میں اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی اور عجیب سی' نئی نئی سی ممتا بھری مسرتیں محسوس کر رہی تھی۔ پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر کہنے لگی۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہاں جاؤں؟ کیا کروں؟"

وہ بولا۔ "جب اپنی عقل کام نہ کر رہی ہو تو اپنے چاہنے والوں کی عقل سے کام لینا چاہئے۔ تمہارے دو چاہنے والے ہیں۔ ایک تو میں ہوں اور دوسرا بچل ہے۔ ہم دونوں کا موازنہ کرو۔ دونوں کے دل و دماغ کو ٹٹولو اور دیکھو کہ تمہارا بہترین جیون ساتھی کون ثابت ہو سکتا ہے؟"

وہ روتے ہوئے بولی۔ "میں نہیں جانتی کہ اس وقت مجھے کیا کرنا چاہئے اور کس طرح کسی کے دل و دماغ میں جھانک کر کوئی آخری فیصلہ کرنا چاہئے؟"

"میں تمہارا کام آسان کروں گا۔ بچل کو' اُس کے باپ کو اور تمہارے بابا سائیں کو یہاں بلاؤں گا اور اُن کے سامنے ایک ایسا سیاسی سمجھوتہ کروں گا' جس کے نتیجے میں تمہیں اپنے پرائے سب کے اصلی چہرے دکھائی دیں گے۔ اس کے بعد مجھے یقین ہے' تمہارا فیصلہ

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

میرے ہی حق میں ہو گا۔"

وہ اپنے آنسو پونچھنے لگی۔ حالات نے اسے ایسے مقام پر پہنچا دیا تھا' جہاں بچل تک پہنچنے کے لئے اپنے بچے کی قربانی لازمی ہو گئی تھی اور ماں کا دل ایسی قربانی کے تصور سے ہی کانپ رہا تھا۔

☆☆☆

اللہ وسائے اپنے اثر و رسوخ استعمال کر رہا تھا۔ بیٹے پر عائد کردہ الزامات کو کمزور بناتے ہوئے پہلی پیشی میں ہی ختم کر دینا چاہتا تھا۔ چند ماہ بعد الیکشن ہونے والے تھے۔ اس سے پہلے اس معاملے کو جڑ سے ختم کرنا لازمی تھا۔ لیکن ملک سکندر حیات تو جیسے ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ اس کی پارٹی کو کمزور بنانے کا اس سے نادر موقع پھر شاید کبھی ہاتھ آنے والا نہیں تھا۔ اس لئے وہ اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھا رہا تھا۔

دو ماہ تک مقدمے کی سماعت ہوتی رہی۔ وکیلوں کی جراح اور گواہوں کے بیانات ریکارڈ ہوتے رہے۔ ملک کے وکیل نے بانو ثمینہ کے پاؤں بھاری ہونے کا معاملہ بھی اپنے کیس میں شامل کر لیا تھا۔ کیس کی نوعیت میں تبدیلی آئی تو ملک کی خواہش کے مطابق مقدمے کی کارروائی بھی طوالت اختیار کرنے لگی۔

ملک کو عدالتی فیصلے کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ وہاں منصف کی کرسی پر بیٹھا ہوا جج حکمران پارٹی کے زیرِ اثر رہے گا۔ آخر کار قانونی ہیرا پھیری کے ذریعہ برسرِ اقتدار پارٹی کے حق میں فیصلہ سنا دے گا۔ ملک کا مقصد تو صرف اللہ وسائے کو ان معاملات میں الجھائے رکھنا تھا۔ یہ سلسلہ الیکشن تک جاری رہتا تو عوام اس پارٹی سے بدظن ہوتے رہتے۔ ایسی حکمتِ عملی سے اس کی سیاسی پوزیشن بڑی حد تک کمزور ہوتی رہتی اور اس پارٹی کے تمام بڑے لیڈر بُری طرح ٹینشن میں مبتلا رہتے۔

پیر شاہ محمد نے فون پر اللہ وسائے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "یہ جھمیلا کب تک چلتا رہے گا سائیں...! اگلے تین ماہ میں الیکشن ہونے والے ہیں۔ کیا ایک پاؤں سیاست میں اور دوسرا پاؤں عدالت میں رکھ کر الیکشن لڑیں گے؟"

اس نے ناگواری سے کہا۔ "اس کم بخت ملک نے اس معاملے کو ہوا دے کر اچھی

طرح بھڑکا دیا ہے۔ تمام میڈیا لڑکی کو اس طرح مظلوم بنا کر پیش کر رہے ہیں کہ اسے عوام کی ہمدردیاں حاصل ہوتی جا رہی ہیں۔"

"عوام کا رُخ اُدھر سے اِدھر پھیرنا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ پھر دیر کیوں ہو رہی ہے؟"

"جس جج کے پاس یہ مقدمہ ہے' وہ ہمیں مایوس کر رہا ہے۔ میں جلد سے جلد اس کا ٹرانسفر کرانے والا ہوں۔ نئے جج کے آتے ہی یہ مقدمہ ہمارے حق میں تمام ہو جائے گا۔"

ملک اور اس کا وکیل سر توڑ کوششوں کے ذریعہ چار ماہ سے بچل وسائے اور اللہ وسائے کو عدالت میں گھسیٹ رہے تھے۔ اس کا وکیل ہیرا پھیری سے تاریخ پر تاریخ بڑھاتا جا رہا تھا۔ بچل وسائے کے گناہ کا بوجھ اٹھائے بانو ثمینہ ہر پیشی پر اس امید کے ساتھ وہاں پہنچتی تھی کہ ایک مظلوم اور بے گناہ لڑکی کو انصاف ضرور ملے گا۔ لیکن ایسی کوئی مبارک گھڑی نہیں آ رہی تھی۔ وہ بیچاری اُمید اور انتظار کی سُولی پر لٹکی رہتی تھی۔

اونٹ کسی نہ کسی کروٹ تو بیٹھتا ہی ہے۔ آخر یہ مقدمہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ نئے جج نے آتے ہی فیصلہ سنایا۔ "اس بات کا ایک بھی چشم دید گواہ نہیں ہے کہ بانو ثمینہ کو بچل وسائے نے اغوا کرایا تھا اور اس کے ساتھ زیادتی کی تھی۔

جب یہ واردات ہوئی' تب پاسپورٹ اور چشم دید گواہوں کے مطابق بچل وسائے نیو یارک میں تھا۔ ایسے ٹھوس ثبوت اور گواہوں کے پیشِ نظر یہ واضح ہو چکا ہے کہ بچل وسائے پر عائد کردہ الزامات سراسر غلط ہیں۔

ملک سکندر حیات نے روزِ اوّل سے بانو ثمینہ کو اپنی کسٹدی میں رکھا ہے اور اسے مہرہ بنا کر مخالف پارٹی کے خلاف ایک جھوٹے مقدمہ کو طول دیتا رہا ہے۔ اس سلسلے میں بچل وسائے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ملک سکندر حیات کے خلاف ہتک عزت کا دعویٰ کرے۔ تاکہ آئندہ جھوٹا مقدمہ دائر کرنے والوں کو عبرت حاصل ہو۔

تمام ثبوت اور گواہوں کے بیانات کے پیشِ نظر عدالت اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ بچل وسائے بے گناہ ہے۔ لہٰذا یہ عدالت بچل وسائے کو باعزت طور پر بری کرتی ہے۔"

ملک سکندر حیات نے سوچا تھا کیا... کیا ہو گیا؟ اُلٹی آنتیں گلے پڑ گئیں۔ ایک تو

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

فیصلہ اپنے حق میں نہیں ہوا۔ دوسرا یہ کہ جھوٹا مقدمہ دائر کرنے کے الزام میں قانوناً اس کا محاسبہ ہونے لگا۔ بانو ثمینہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ آبرو بھی لٹی اور انصاف بھی نہ ملا۔ نہ اِدھر کی رہی نہ اُدھر کی رہی۔ وہ رو رو کر کہنے لگی۔ ”ملک صاحب! یہ کیا ہو گیا؟ وہ لوٹنے والا تو نیک نام رہا‘ میں لٹنے والی ساری عمر آبرو باختہ کہلاؤں گی۔ عدالت سے نیک نامی اور مظلومیت کا سرٹیفکیٹ نہ ملنے کا مطلب یہی ہے کہ میں عزت دار نہیں رہی۔ میں آگے کی زندگی کیسے جیوں گی...؟“

وہ رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ بے حیا کہلاتے ہوئے زندہ نہیں رہے گی۔ اپنی جان پر کھیل جائے گی۔ ملک نے کہا۔ ”نادانی میں کوئی جذباتی فیصلہ نہ کرو۔ ابھی اس مقدمہ میں تمہاری ہار نہیں ہوئی ہے۔ عدالت کا فیصلہ یکطرفہ ہے۔ عوام کی حمایت اور ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں۔ کتنے ہی دردمند دل رکھنے والے بڑی اپنائیت سے تمہیں فون کرتے رہتے ہیں۔ تمہاری حمایت کرنے والے اخبارات میں کالم اور خطوط لکھ رہے ہیں۔ میں دشمنوں کے آگے گھٹنے ٹیکنے والا نہیں ہوں۔ میں تو الیکشن ہونے تک ان کے بارہ بجا دوں گا۔ آئندہ تمہارا مقدمہ عوام کی عدالت میں لڑوں گا۔“

اس نے چونک کر سوالیہ نظروں سے ملک کو دیکھا۔ وہ بولا۔ ”ہم یہ ثابت کردیں گے کہ پچل نے تم سے زیادتی کی ہے اور وہ واردات کے وقت اسی ملک اسی شہر میں تھا۔ ایک جعلی پاسپورٹ اور زرخرید گواہوں کے ذریعہ عدالت کو گمراہ کیا گیا ہے۔“

وہ پریشان ہو کر بولی۔ ”کیا پھر مجھے تماشہ بننا پڑے گا؟“

”اس میں پریشانی کیا ہے؟ تمہاری بدنامی کی انتہا ہو چکی ہے۔ اب بدنامی سے ڈرنے کے لئے کچھ نہیں رہا۔ تمہیں تو ان ظالموں کا پیچھا قبر تک کرنا چاہئے۔“

وہ شکست خوردہ لہجے میں بولی۔ ”میں تھک گئی ہوں۔ آپ نہیں جانتے‘ کس طرح اندر ہی اندر دن رات مرتی رہتی ہوں۔ اب اس معاملے کو ختم کریں ملک صاحب...!“

”کیا ایسے ہی ختم کردوں؟ اب تک لاکھوں روپے پانی کی طرح بہا چکا ہوں۔ تمہاری خاطر اپنے دن رات کا سکون برباد کرتا رہا ہوں۔ کیا میری قربانیوں کا یہی صلہ دو گی کہ مجھے بیچ منجدھار میں چھوڑ دو گی؟“

وہ بری طرح پھنس گئی تھی۔ نہ جائے ماندن‘ نہ پائے رفتن..... والا معاملہ تھا۔ ہزار بدنامیوں کے باوجود وہ اپنے محسن کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی تھی اور محسن کی یہ بات درست تھی کہ بدنامی تو ہو ہی چکی ہے۔ اب ڈرنا کیسا...؟

☆☆☆

زمرد خان پہلی بار بیٹے کا باپ بننے والا تھا۔ اس خوشی میں اس نے ماروی کے ماں باپ کو‘ اللہ وسائے اور پچل وسائے کو کھانے کی دعوت دی تھی۔ یہ کہلا بھیجا تھا کہ وہ ایک اہم سیاسی معاملے پر گفتگو کرنا چاہتا ہے۔

وہ سب ہی وقتِ مقررہ پر اس کی حویلی میں پہنچ گئے۔ اس نے بڑی گرم جوشی سے اُن کا استقبال کیا۔ اس بار ماروی پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ اسے کھل کر اپنے میکے والوں سے حتیٰ کہ پچل سے بھی ملنے اور باتیں کرنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔

اللہ وسائے نے کہا۔ ”کیا بات ہے زمرد خان...! تم تو بالکل ہی بدل گئے ہو؟ کیا اس تبدیلی کے پیچھے بھی کوئی سیاست ہے؟“

وہ بولا۔ ”سیاست تو ہم سب کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ یہ جو آپ میرے گھر میں طرح طرح کے پکوان کھا رہے ہیں‘ اس میں بھی سیاست ہے۔ دراصل میں اپنا نمک کھلا رہا ہوں۔ تاکہ آپ نمک کا حق ادا کریں اور آئندہ بھی میرے من کی مراد پوری کریں۔“

اس بات وہ سب ہنسنے لگے۔ اللہ وسائے نے کہا۔ ”بھئی... یہ نمک کھلانے والی بات بھی خوب ہے۔ کیا اب بھی تمہاری کوئی ایسی مراد ہے‘ جسے ہم پورا کرسکتے ہیں؟“

”ہاں۔ کچھ ایسی ہی بات ہے سائیں.....! آپ میری ایک مراد پوری کریں گے تو آپ کی اور پیر شاہ محمد کی کئی مرادیں پوری ہو جائیں گی۔ آپ نے میری وجہ سے اپنے بیٹے پچل وسائے کو اس بار الیکشن سے دور رکھا ہے۔ ہوسکتا ہے‘ میں پیچھے ہٹ جاؤں اور آپ بیٹے کو میدان میں لے آئیں؟“

اس بات پر پچل‘ اللہ وسائے اور پیر شاہ محمد نے چونک کر اسے دیکھا۔ پچل نے کہا۔ ”زمرد خان.....! واقعی آپ بدل سے گئے ہیں۔ کیا ایسا ممکن ہے؟ نیشنل اسمبلی میں جانے کے لئے کیا آپ اپنا ٹکٹ مجھے دے سکیں گے؟“

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

وہ بولا۔ "سیاست میں کوئی بات حرفِ آخر نہیں ہوتی۔ ہم سیاسی حکمتِ عملی سے اس حرفِ آخر کو بھی مٹا دیتے ہیں۔ پھر وہی ہوتا ہے' جو ہم چاہتے ہیں۔"

پیر شاہ محمد نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم نے ضرور کوئی نئی کھچڑی پکائی ہے اور اس دعوت کے ساتھ اُسے بھی کھلانا چاہتے ہو۔"

اللہ وسائے نے کہا۔ "جو بات ہے' کھل کر کہو۔ تم نیشنل اسمبلی میں پہنچنے کے لئے پیر شاہ محمد کو بلیک میل کرتے آرہے ہو۔ کیا آئندہ ایسی بلیک میلنگ سے باز آجاؤ گے؟ کیا نیشنل اسمبلی کے ٹکٹ پر الیکشن نہیں لڑو گے؟"

"ہاں۔ اگر بات بن جائے تو میں سیاست ہی چھوڑ دوں گا۔"

چنچل نے پہلو بدل کر پوچھا۔ "اور وہ بات کیسے بنے گی؟"

اس نے کہا۔ "اس ہاتھ دے اور اس ہاتھ لے والا معاملہ ہے۔ اگر ہم لین دین پر راضی ہوگئے تو سمجھو' نیشنل اسمبلی کا ٹکٹ تمہارا ہے۔"

اللہ وسائے نے کہا۔ "پھر تو میں بڑی سے بڑی شرط مان کر تمہارا ٹکٹ اپنے بیٹے کو دوں گا۔ بولو...! اس کے بدلے کیا چاہتے ہو؟"

زمرد خان نے ماروی کی طرف دیکھا۔ پھر کہا۔ "میرے اندر تبدیلیاں لانے والی یہ میری شریکِ حیات ہے۔ میں اسے دل و جان سے چاہتا ہوں۔ یہ نہیں جانتا کہ یہ چنچل کی چاہت پر میری چاہت کو ترجیح دے گی یا نہیں...؟ میں نے فیصلہ کیا ہے' اگر یہ میرے بیٹے کو جنم دینے کے بعد مجھ سے طلاق نہیں مانگے گی' میرے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتی رہے گی اور چنچل اس کی طلب سے باز آجائے گا تو میں اپنا ٹکٹ اسے دے دوں گا۔"

اس کی بات سن کر ماروی اور چنچل نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر چنچل اس سے نظریں پھیر کر باپ کو دیکھنے لگا۔ باپ نے کہا۔ "بیٹے....! تم ایک بہت بڑے سیاستدان کے بیٹے ہو۔ اپنا فیصلہ سناؤ۔"

چنچل نے جھجکتے ہوئے ماروی کی طرف دیکھا۔ پھر کہا۔ "میرا فیصلہ ماروی کی بہتری کے لئے ہوگا۔ اگر یہ زمرد خان سے طلاق لے کر آئے گی تو اپنے نوزائیدہ بیٹے سے محروم ہوجائے گی۔ بیٹا بھی ماں کے دودھ سے اور اس کی ممتا سے محروم ہوجائے گا۔ میں ایسا

ظلم نہیں کرنا چاہتا۔"

ماروی کے دل کو ایک دھچکا سا لگا۔ وہ گھما پھرا کر' باتیں بنا کر اپنی ماروی سے کترا رہا تھا۔ وہ سخت لہجے میں بولی۔ "چنچل....! تم میری بھلائی کی بات نہ کرو۔ اپنے دل کی بات کرو۔ تمہارے سامنے ایک طرف میں ہوں اور دوسری طرف نیشنل اسمبلی کا ٹکٹ ہے۔ تم کسے ہاتھ میں لینا چاہو گے؟"

اللہ وسائے نے کہا۔ "میرے بیٹے کو جذبات میں نہ الجھاؤ۔ سیاست میں جذبات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اگر تمہیں میرے بیٹے سے سچی محبت ہے تو اس کے لئے قربانی دو۔ زمرد خان سے طلاق نہ لو اور چنچل کو نیشنل اسمبلی میں جانے دو۔"

ماروی نے کہا۔ "چنچل...! یہی بات میں تم سے کہتی ہوں۔ اگر تمہیں مجھ سے سچی محبت ہے تو میری توہین نہ کرو۔ نیشنل اسمبلی پر مجھے ترجیح دو۔"

چنچل اپنا فیصلہ سنانے کے لئے ہچکچانے لگا۔ زمرد خان نے کہا۔ "پیر شاہ محمد...! اگر ماروی میری شریکِ حیات بن کر رہے گی تو میں آپ کو آئندہ کبھی بلیک میل نہیں کروں گا۔ آپ کی جتنی کمزوریاں میرے پاس ہیں' وہ سب کی سب ابھی واپس کر دوں گا۔"

پیر شاہ محمد اور اللہ وسائے نے چونک کر' خوش ہوکر ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر اللہ وسائے نے کہا۔ "زمرد خان! آفرین ہے تم پر.... بے شک۔ تمہارے اندر انقلابی تبدیلیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ تم ماروی کے صحیح قدر دان ہو۔ اس کی خاطر نیشنل اسمبلی بھی چھوڑ رہے ہو اور بلیک میلنگ سے بھی باز آرہے ہو۔ ہمیں تمہاری شرط منظور ہے۔ ماروی تم سے طلاق نہیں مانگے گی۔ تمہاری شریکِ حیات بن کر رہے گی۔"

ماروی نے اللہ وسائے کو ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کون ہوتے ہیں میری زندگی کا فیصلہ کرنے والے....؟ کیا میں کوئی گری پڑی چیز ہوں کہ جس کی جھولی میں چاہا' اُٹھا کر ڈال دیا؟"

پھر اس نے چنچل سے کہا۔ "اپنے رقیب کی باتیں سنو۔ سوچو...شرم کرو۔ یہ میرے مجازی خدا ہیں۔ میرے لئے کیسی کیسی قربانیاں دے رہے ہیں؟ تمہارا جھکا ہوا سر کہہ رہا ہے' تم گندی سیاست کے پروردہ ہو۔ اقتدار کی کرسی پر بیٹھنے کے لئے ماؤں' بہنوں'

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

بیٹیوں اور دل میں دھڑکنے والی محبوباؤں کو بھی داؤ پر لگا دیتے ہو اور تم مجھے داؤ پر لگا چکے ہو۔''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ''تم بہت جذباتی ہو کر بول رہی ہو۔ اپنے بابا سائیں کا فائدہ نہیں دیکھ رہی ہو۔ یہاں زمرد خان کی شریک حیات بن کر زندگی گزارتی رہو گی تو یہ کبھی تمہارے بابا سائیں کو بلیک میل نہیں کریں گے۔''

ماروی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ چیختے ہوئے بولی۔ ''بکواس مت کرو۔ مجھے چھوڑنے اور نیشنل اسمبلی کا ٹکٹ ہاتھ میں لینے کے لئے میرے بابا سائیں کا حوالہ نہ دو۔ آج پہلی بار یہ دیکھ کر اور سمجھ کر دل دکھ رہا ہے کہ میں آج تک ایک کم ظرف اور کمینے سے محبت کرتی رہی ہوں۔''

اللہ وسائے نے گرجتے ہوئے کہا۔ ''ماروی! تم حد سے بڑھ رہی ہو۔ اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔''

وہ اپنی جگہ سے چلتی ہوئی زمرد خان کے پاس آ کر بولی۔ ''حد سے تو اب آگے بڑھوں گی۔ اس سلسلے میں یکطرفہ فیصلہ نہیں ہوگا کہ نچل کیا چاہتا ہے؟ اصل فیصلہ تو میرا ہوگا کہ میں کیا چاہتی ہوں؟''

زمرد خان نے کہا۔ ''بے شک۔ نکاح پڑھاتے وقت بھی پہلے عورت کی رضامندی اور اس کا فیصلہ معلوم کیا جاتا ہے۔ بولو... تم کیا چاہتی ہو؟''

ماروی نے زمرد خان کو دیکھا۔ پھر کہا۔ ''سب سے پہلے تو میں یہ اعتراف کروں گی کہ آپ سے شدید نفرت کرتی رہی ہوں کیونکہ آپ نے جبراً بلیک میلنگ کے ذریعہ مجھے حاصل کیا تھا۔ میں نے یہاں آ کر آپ کے خلاف محاذ آرائی کی۔ اپنے بابا سائیں کی دستاویزات آپ کے سیف سے چرانے کی کوششیں کرتی رہی۔ اس سلسلے میں کسی حد تک کامیابی ہوئی۔''

زمرد خان نے ایک ذرا چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''آپ نے میرے بابا سائیں کے خلاف جو ویڈیو فلم ریکارڈ کی تھی' میں نے اسے مٹا دیا ہے' ضائع کر دیا ہے۔ لیکن اب تک دوسری دستاویزات اور آڈیو کیسٹ تک پہنچ نہیں پائی ہوں۔ اب آپ خود ہی فراخدلی سے کہہ رہے ہیں کہ وہ تمام کمزوریاں بابا سائیں

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

کے حوالے کر دیں گے۔ اس سے بڑی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ پہلے تو آپ نے رفتہ رفتہ میرا دل جیتا اور آج مجھے کوڑیوں کے مول خرید لیا ہے۔ لیکن.....''

یہ کہہ کر وہ چپ ہوئی۔ سب ہی اس کا منہ تکنے لگے۔ اس تجسس میں مبتلا ہو گئے کہ وہ لیکن کے بعد کیا کہنے والی ہے؟

وہ ایک ذرا توقف کے بعد زمرد خان سے بولی۔ ''میں ایک ہی شرط پر آپ سے طلاق نہیں مانگوں گی۔ اپنے بچے کو کلیجے سے لگائے آپ کے ساتھ زندگی گزارتی رہوں گی۔''

''میں بڑی سے بڑی شرط ماننے کو تیار ہوں۔ بولو... کیا چاہتی ہو؟''

''میں چاہتی ہوں۔ آپ نیشنل اسمبلی میں جانے کے لئے الیکشن لڑیں گے اور اپنا ٹکٹ کسی کو نہیں دیں گے۔''

یہ سنتے ہی وہ باپ بیٹے اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ اللہ وسائے نے غصے سے پوچھا۔ ''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ کیوں ہم سے خواہ مخواہ دشمنی کر رہی ہو؟''

وہ منہ پھیر کر زمرد خان سے بولی۔ ''میں کسی سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ اپنا فیصلہ سنا چکی ہوں۔ آپ ان کے سامنے کہہ دیں کہ میری بات مان رہے ہیں اور ایک کم ظرف کو نیشنل اسمبلی میں پہنچنے سے پہلے ہی منہ کے بل گرا رہے ہیں۔''

زمرد خان نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔ ''سیاست میری بھی گھٹی میں پڑی ہے۔ میں تو تمہاری خاطر قربانی دے رہا تھا۔ اب وہی ہوگا' جو تم کہہ رہی ہو۔''

نچل غصے اور ندامت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ پھر پاؤں پٹختا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ اللہ وسائے سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ بیٹے کی طرح غصہ دکھا کر وہاں سے جا نہیں سکتا تھا۔ سیاسی تقاضے کہہ رہے تھے' زمرد خان کا پلڑا بھاری ہے۔ وہ پیر شاہ محمد کو آئندہ بلیک میل نہیں کرے گا تو اپنے سسر کی آنکھ کا تارا بن کر رہے گا اور وہ سسر اللہ وسائے کی پارٹی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا تھا۔ لہٰذا اُن سسر داماد کے دباؤ میں رہ کر اپنی پارٹی کو مستحکم بنائے رکھنا لازمی ہو گیا تھا۔

ماروی نے اپنے دونوں ہاتھ زمرد خان کو دکھاتے ہوئے کہا۔ ''جب مجھے جبراً آپ کی دلہن بنایا جا رہا تھا تو میں نے ان ہاتھوں میں مہندی رچانے سے انکار کر دیا تھا۔

لڑکیاں جب کسی کو اپنا آئیڈیل بناتی ہیں تو اُسی کے نام کی مہندی رچانا چاہتی ہیں۔ یہ نہیں جانتیں کہ تقدیر نے کسی اور کے نام کی مہندی لکھ رکھی ہے۔ میں جارہی ہوں۔ ابھی آپ کے نام کی مہندی رچاؤں گی۔''

وہ مسکراتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ زمرد خان اُن دو سیاستدانوں کو دیکھتے ہوئے بڑے فخر سے مونچھوں کو تاؤ دے رہا تھا۔

☆☆☆

بانو ثمینہ کو رسوائیوں میں لپٹی ہوئی شہرت مل رہی تھی۔ اخبارات اور ٹی وی چینلز کے ذریعہ اُس کا نام ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گونجتا جارہا تھا۔ کیا بوڑھا اور کیا بچہ...؟ سب ہی کی زبان پر بانو ثمینہ کا نام تھا۔ جدھر نظر جاتی تھی' اُدھر دیواروں پر یہ تحریریں دکھائی دیتی تھیں۔

''عدالت کا فیصلہ یکطرفہ ہے۔ سیاست کی بھینٹ چڑھی حسینہ.....
ہائے بانو ثمینہ.....''

احتجاجی جلوس نکالنے والے چیختے چلاتے جاتے تھے۔''ہائے بانو ثمینہ.....تجھ پر ظلم کرنے والا کمینہ... ہائے بانو ثمینہ.....''

پچھلے نو ماہ میں کتنے ہی اخبارات والوں نے اس کے کتنے ہی انٹرویوز شائع کئے تھے۔ وہ کوئی بیان دینے اور کسی بھی چینل کی اسکرین پر آنے سے انکار کرتی تھی۔ لیکن ملک سکندر حیات کے اصرار پر مجبور ہو جاتی تھی۔ پوری قوم نے ایک آدھ چینل کی اسکرین پر اُسے نقاب میں دیکھا تھا۔ وہ منہ چھپا کر آتی تھی۔ پھر اپنا دکھڑا بیان کر کے چلی جاتی تھی۔ لیکن اتنے وسیع پیمانے پر ظالموں کے خلاف احتجاج کرنے کا کوئی مثبت نتیجہ سامنے نہیں آرہا تھا۔ نہ تو بدنامی کا داغ دُھل رہا تھا' نہ ہی اُسے داغدار کرنے والا قانونی گرفت میں آرہا تھا۔

پھر ملک سکندر حیات نے اخبارات اور چینلز کے رپورٹرز اور فوٹو گرافرز کو شہر کے ایک بہت بڑے میٹرنٹی ہوم میں آنے کی دعوت دی اور کہا کہ لیڈی ڈاکٹر کی رپورٹ کے مطابق آج شام تک بانو ثمینہ کی ڈلیوری ہونے والی ہے۔ آج ایک بچہ سیاست کی دلدل سے نکل کر آئے گا۔ آپ اس کی تصویریں شائع کریں۔ وہ تصویر پوری قوم سے پوچھے گی کہ

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

اُسے عدالت سے انصاف کیوں نہیں ملا؟ ہماری بہنیں اور بیٹیاں کب تک اپنی آبرو لٹاتی رہیں گی اور فریاد کرتے کرتے مرتی رہیں گی؟ یہ بچہ اس ملک کی اور قوم کی پیشانی پر ایک بدنما داغ بن کر رہے گا۔

میٹرنٹی ہوم کے سامنے ایک جلسے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ وہاں ایک بہت بڑا اسٹیج بنایا گیا تھا۔ اس اسٹیج کی شاہانہ کرسیوں پر اپوزیشن پارٹی کا چیئرمین ملک سکندر حیات اپنے بڑے بڑے اہم لیڈروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ان میں سے ایک ایک لیڈر مائیک کے سامنے آرہا تھا اور اللہ وسائے اور اس کے بیٹے بچل وسائے کے خلاف جوشیلی تقریریں کر رہا تھا۔ قوم کی غیرت کو للکار رہا تھا۔ سامنے میٹرنٹی ہوم کے ایک کمرے میں بانو ثمینہ دردِ زہ سے گزر رہی تھی۔ تکلیف کی شدت سے کبھی کراہ رہی تھی اور کبھی چیخ رہی تھی۔ اس کی کراہیں اور چیخیں کہہ رہی تھیں۔ ''بس کرو..... خدا کے لئے بس کرو..... مجھے اور کانٹوں میں نہ گھسیٹو.... یہ تمہارا کیسا سیاسی کاروبار ہے کہ میرے بعد میرے بچے کو مہرہ بنا کر ساری زندگی اُس پر کیچڑ اچھالی جائے گی۔ کیا میری بے آبروئی اور بدنامی کا سلسلہ آئندہ نسلوں تک چلتا رہے گا؟''

ایک قد آور صحت مند نوجوان نے اسٹیج پر آکر مائیک کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔''معزز خواتین و حضرات...! میرا نام ایمان علی ہے۔ میں پچھلے نو ماہ سے ایک مظلوم لڑکی کے متعلق سنتا آرہا ہوں۔ اخبارات میں پڑھتا آرہا ہوں اور ٹی وی اسکرین پر دیکھتا آرہا ہوں کہ وہ کس طرح ایک زندہ لاش بنی ہوئی ہے؟

ہمارے اس چھوٹے سے ملک کے کتنے ہی شہروں میں' کتنے ہی علاقوں میں طرح طرح کے جرائم ہوتے رہتے ہیں۔ لڑکیوں کو اغوا بھی کیا جاتا ہے اور اُن سے زیادتی بھی کی جاتی ہے۔ ان میں سے چند لڑکیوں کی تصویریں کبھی کبھی اخبارات میں چھپتی ہیں' اُن کے بیانات شائع ہوتے ہیں۔ پھر بات آئی گئی ہو جاتی ہے۔ لیکن آج تک کسی لڑکی کی بے آبروئی کو اور بدنامی کو اتنی شدت سے نہیں اُچھالا گیا' جتنا کہ ہمارے سیاستدان بانو ثمینہ کے معاملے کو اچھال رہے ہیں۔

آپ ابتدا سے دیکھتے آرہے ہیں کہ بانو ثمینہ دو بڑی سیاسی پارٹیوں کے درمیان ذلیل وخوار ہوتی آرہی ہے۔''

ملک سکندر حیات نے اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”اے مسٹر...! یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو؟ اس ملک کے عوام دیکھتے آرہے ہیں کہ ہم نے اس معصوم اور مظلوم لڑکی کی حمایت میں کتنی آوازیں اٹھائی ہیں؟ اسے انصاف دلانے کے لئے عدالت تک پہنچ گئے تھے۔ تمہیں اسٹیج پر آنے کی کس نے اجازت دی ہے؟ جاؤ۔ یہاں سے چلے جاؤ...“

ایمان علی نے ہجوم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اس وقت میں عوام کی عدالت میں کھڑا ہوا ہوں۔ یہ مجھے یہاں سے جانے کو کہیں گے تو چلا جاؤں گا۔ ورنہ جو حقیقت ہے‘ وہ بیان کرتا رہوں گا۔“

اُس کی بات سن کر کتنے ہی افراد اٹھ اٹھ کر کہنے لگے۔ ”ایمان علی کو بولنے دیا جائے.... ایمان کو بولنے دیا جائے....“

ایمان علی نے کہا۔ ”مجھے اس لئے بھی بولنا چاہئے کہ ایمان کی بات کبھی کبھی‘ کہیں کہیں بولی جاتی ہے اور کسی کسی پر اثر کرتی ہے۔ اگر میری باتوں نے یہاں اثر دکھایا تو میں سمجھوں گا کہ میں نے ایک مظلوم لڑکی کو انصاف دلایا ہے۔

معزز حاضرین..! آپ ہوں یا یہ لیڈر حضرات ہوں۔ اگر کسی کی بہن یا بیٹی کے ساتھ زیادتی ہوتی تو وہ اس شرمناک مسئلے کو اس قدر نہ اچھالتے۔ ایک محدود پیمانے پر ظالموں کا محاسبہ کرتے اور اپنی بہن یا بیٹی کی رسوائی کو پھیلنے سے روکنے کی حتی الامکان کوششیں کرتے۔

میں آپ سب کے سامنے ان رہنماؤں سے سوال کرتا ہوں‘ اِن میں سے کسی کی بہن یا بیٹی اس وقت میٹرنٹی ہوم میں ہوتی تو کیا اس کے سامنے یہ اس طرح مجمع لگاتے؟ کیا اس طرح اپنی بہن یا بیٹی کو تماشہ بناتے....؟ ہرگز نہیں.... یہ تو ایسا اس لئے کر رہے ہیں کہ بانو ثمینہ نہ ان کی بہن ہے‘ نہ بیٹی ہے۔ اس کی بدنامی سے یہ کبھی بدنام نہیں ہوں گے۔ بلکہ سیاسی مفادات حاصل کرتے رہیں گے۔

ایک سیاسی پارٹی نے اُس بے چاری کو بے آبرو کیا۔ اس دوسری پارٹی کا دعویٰ ہے کہ یہ اسے انصاف دلا رہے ہیں۔ اس سے ہمدردی کرنے کے لئے ملک سکندر حیات صاحب اسے اپنے گھر لے گئے۔ پچھلے آٹھ مہینوں سے اسے اپنی چھت کے نیچے رکھا اور بعد

میں یہ دیکھا کہ اس لڑکی کو عدالت سے انصاف نہیں ملا۔ کوئی بات نہیں.... ملک صاحب تو اس سے انصاف کر سکتے تھے۔ ماشاءاللہ ابھی بوڑھے نہیں ہوئے ہیں۔ جوان دکھائی دیتے ہیں۔ کیا بانو ثمینہ کو اپنے گھر کی عزت بنا کر اسی چھت کے نیچے نہیں رکھ سکتے ؟“

مجمع سے آوازیں آنے لگیں۔ ”بے شک۔ ایسا کر سکتے ہیں..... جسے عزت دلانے عدالت تک گئے اسے اپنی چھت کے نیچے عزت دے سکتے ہیں۔“

سامنے بیٹھے ہوئے افراد اٹھتے جا رہے تھے اور بولتے جا رہے تھے۔ ملک سکندر حیات بری طرح بوکھلا گیا تھا۔ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ نیکی اور ہمدردی کی آڑ میں اپنا مفاد حاصل کرنا چاہے گا تو الٹی جوتیاں منہ پر پڑیں گی۔ میٹرنٹی ہوم کے اندر بانو ثمینہ کی کراہیں اور چیخیں اچانک بند ہو گئیں۔ ایک نوزائیدہ بچے کے رونے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

جلسے کے اسپیکر سے گونجنے والی آوازیں بانو ثمینہ تک پہنچ رہی تھیں۔ وہ تکلیف سے کراہ رہی تھی اور ایمان علی کی باتیں سن رہی تھی۔ ایسے وقت نرس نے کہا۔ ”بیٹی ہوئی ہے۔“

وہ بیٹی دنیا میں آتے ہی رو رہی تھی۔ پوچھ رہی تھی۔ ”مجھے کیوں پیدا کیا....؟ مجھے کیوں پیدا کیا..؟ کیا میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا‘ جیسا میری ماں کے ساتھ ہو رہا ہے....؟“

ایمان علی اسٹیج پر کہہ رہا تھا۔ ”ایسا ہوتا رہا ہے اور جب تک ہمارے لوگ سچی ہمدردی اور سچی قربانی کا جذبہ نہیں رکھیں گے۔ ایسا ہوتا ہی رہے گا۔ سچی قربانی کا تقاضہ یہ ہے کہ کسی لڑکی کو بدنام نہ کیا جائے۔ بلکہ اس کی بدنامی کو اپنی چاردیواری میں سمیٹ لیا جائے۔ اسے عزت آبرو سے اپنی شریک حیات بنا کر بولنے والوں کی زبانیں بند کر دی جائیں۔

ایسا اب بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ ملک سکندر حیات صاحب ہوں یا کوئی اور بگلا بھگت سیاسی لیڈر ہو۔ یہ صرف تقریریں کریں گے۔ یہ گفتار کے غازی ہیں اور کردار کے پاپی ہیں۔

ان کا اصلی چہرہ دکھانے کے بعد اب میں آپ سے کہتا ہوں کہ میں بھی یہاں محض تقریر کرنے نہیں آیا ہوں۔ ہمارے دین میں عمل کے مطابق جو سب سے پہلی بات سکھائی گئی ہے‘ وہ یہ ہے کہ جب بھی کسی نیک کام کی تلقین کرو تو سب سے پہلے اپنا قدم آگے بڑھاؤ۔ لہٰذا میں آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ بانو ثمینہ کے سر پر چادر ڈالوں گا۔ یہ میٹرنٹی ہوم

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

سے کسی سیاستدان کے گھر نہیں جائے گی۔ جب تک اس سے میرا نکاح نہیں پڑھایا جائے گا۔ یہ میرے بزرگوں کے سائے میں رہے گی۔"

بانو ثمینہ بیڈ پر پڑی ہوئی تھی۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔ جو کچھ کانوں سے سن رہی تھی' اُس پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس ملک میں ایسے ایمان والے بھی ہیں....."

ہیں۔ کیوں نہیں ہیں....؟ بس ذرا سو رہے ہیں۔ جب جاگیں گے تو اس ملک خداداد سے شرمناک سیاست کا خاتمہ ضرور ہوگا۔

یا خدا! یہ کیسی نیند ہے؟ سونے والے کب جاگیں گے...؟"

(ختم شد)

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com